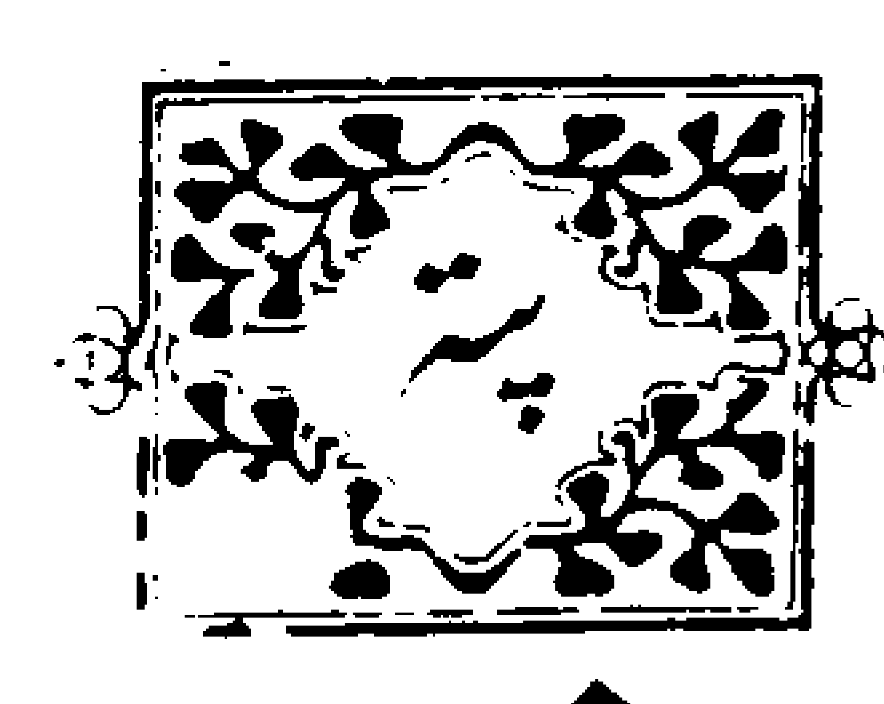
نصاب فاضل عربی

تاریخ القرآن

الفوز الکبیرؒ
فی
اُصولِ تفسیر

پروفیسر چوہدری غلام رسول ایم۔ اے
مولانا محمد طفیل



شیخ محمد بشیر اینڈ سنز جلال الدین ہسپتال بلڈنگ
اردو بازار۔ لاہور ۲
Rs.12.00

طابع ———————— ابوبکر صدیقی

ناشر ———————— صدیقی پبلیکیشنز لاہور ۲

مطبع ———————— طارق حسن پرنٹرز لاہور ۲

تعداد ———————— ۵۰۰

قیمت ————————

ناشر

صدیقی پبلیکیشنز لاہور ۲



تاریخ القرآن

سوال :- تفسیر کی تعریف اور اہمیت، اصول تفسیر اور طبقات تفسیر سے متعلق بحث کیجئے۔

جواب :- لفظ تفسیر باب تفعیل ہے۔ فَسَّرَ یُفَسِّرُ تَفْسِیْرًا جس کے معنی بیان اور کشف کے ہیں۔

تعریف علم التفسیر

اصطلاح میں علم تفسیر وہ علم ہے کہ جس میں کتاب اللہ پر اس حیثیت سے بحث کی جائے کہ جس سے خالق و مالک حقیقی کی مراد معلوم کی جا سکے۔

غرض و غایت علم التفسیر

علم التفسیر کی غرض و غایت اللہ تعالےٰ کی مراد پر اطلاع پانا، سعادت دارین حاصل کرنا اور علم و عمل کی اصلاح کرنا ہے۔

تفسیر کی ضرورت اور اہمیت

تفسیر کی ضرورت از روئے قرآن مجید

قرآن مجید سے یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید کی تشریح و توضیح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی ہے اور پہلے شارح اور مفسر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ ارشاد ہی ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔۔۔ (آل عمران ۳: ۱۶۴) یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

اس آیت میں چہار گانہ فرائض نبوت میں سے ایک فرض تعلیم قرآن ہے اور تعلیم صرف الفاظ کے پڑھ دینے کا نام ہی نہیں بلکہ تشریح اور تفسیر مراد ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۔ (نحل ۱۶: ۴۴) اور ہم نے تیری طرف ذکر بھیجا ہے تاکہ تو لوگوں کے لئے کھول کر بیان کر دے جو ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ فکر سے کام لیں۔

تبیین کلام تشریح، تفسیر کا دوسرا نام ہے۔

تفسیر کی ضرورت اور اہمیت از روئے حدیث

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی تفسیر اپنے قول اور فعل سے فرمائی قرآن مجید میں نماز ادا کرنے کا حکم آتا ہے۔ لیکن اس قرآنی حکم کی تشریح و توضیح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور فعل سے کی ہے۔ مختلف ارکان نماز میں کیا پڑھا جانے اور ارکان کو کیسے ادا کیا جائے۔ ایسے زکوٰۃ کا حکم ہے۔ قرآن میں اجمالاً بیان کیا گیا ہے۔ رسول کریم صلعم نے اس کی وضاحت فرمائی۔

احادیث سے یہ واضح ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر کے سیکھنے کا حکم بھی دیا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے ''سورۃ حدید اور اس کی تفسیر سیکھو''۔

حضرت ضحاک حضرت عبداللہ بن عباس سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا قولہ تعالیٰ یُؤتی الحکمۃ'' سے مراد قرآن کا عطا کرنا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ قرآن کا عطا کرنا سے مراد قرآن کی تفسیر ہے۔ کیونکہ پڑھنے کو تو نیک و بد سبھی پڑھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حق میں دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِیْل۔ اے اللہ اسے دین میں فقاہت بخش اور تاویل کا علم دے۔

اس امر کو حضرت علی نے اپنے قول اِلَّا فَھْمًا یُّؤْتَاہُ الرَّجُلُ فِی الْقُرْاٰن۔ "مگر وہ سمجھ جو کہ کسی آدمی کو قرآن کے بارے میں ملی ہو" مراد ہے۔

بیہقی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "قرآن مجید کی تعریب (تفسیر) کرو اور اس کے غریب اور نامانوس الفاظ کی تلاش میں سرگرم رہو۔"

تفسیر کی ضرورت اور اہمیت از تعامل صحابہؓ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تفسیر قرآن کے اہم فریضہ کو صحابہ نے انجام دیا۔ صحابہ کرام کے مختلف مقامات پر حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ مثلاً مدینہ میں زیدؓ اور ان کے تلامذہ، مکہ میں حضرت عبداللہ بن عباس اور ان کے تلامذہ، اور کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علیؓ قرآن مجید کی تفسیر اور تشریح کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے اور اپنے تلامذہ کو تفسیر قرآن مجید پر غور و فکر اور تفسیر و تشریح کرنے کا ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

حضرت سعید بن جبیر، حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ''جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کی تفسیر اچھی طرح نہیں کر سکتا اس کی مثال اس اعرابی کی ہے جو شعر کو بے سوچے سمجھے اور غیر موزوں پڑھتا ہے''۔[1]

---

[1] فضائل القرآن لابی ذر ہروی

حضرت ابوبکر صدیق ؓ فرماتے ہیں۔ بے شک مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں قرآن کی کسی ایک آیت کی تعریب (تفسیر) کروں بہ نسبت اس بات کے کہ میں ایک آیت حفظ کروں ؎۔

تفسیر کی ضرورت اور اہمیت از روئے تعامل علماء امت

صحابہؓ کے بعد اس علمی فریضہ کو تابعین تبع تابعین اور علماء امت نے جاری رکھا اور آج تک جاری ہے۔ اور اتنا تفسیری سرمایہ پیدا ہو چکا ہے کہ اس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔

تفسیر کی ضرورت از روئے عقل

قرآن مجید اصول اور کلیات کی ایک جامع کتاب ہے۔ ان کلیات اور اصول کو اللہ تعالیٰ نے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کلیات اور اصول کو سمجھانے کے لئے تشریح اور توضیح کی از حد ضرورت ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلیات کی تشریح فرمائی اگر آپ تشریح نہ فرماتے تو عوام کے لئے قرآن مجید ایک مغلق کتاب بن جاتی۔ اس لئے عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ قرآن مجید لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس کے مشکل مقامات کی تشریح کی جائے۔

طبقات تفسیر

آثاری تفسیر

جس میں ہر آیت کے نیچے اس مضمون سے متعلقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور صحابہ کرام کے آثار جمع کر دیئے جاتے تھے۔

اس قسم کی تفسیر کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ روایات اور آثار کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ دوسرا فائدہ اس زمانہ کے لئے مخصوص تھا۔ وہ یہ کہ دور نبوت کے بعد اسلامی تعلیمات کے زوال اور عجمی علوم کے اختلاط کی وجہ سے بدعتوں کا دروازہ کھل گیا تھا۔ تو اہل بدعت نے اپنے غلط نظریات کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس فتنہ کے سد باب کے لئے محدثین نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قرآن مجید کی تفسیر صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات اور آثار صحابہ کرام کے ذریعے بیان کی۔ تاکہ اہل بدعت قرآن مجید میں دراندازی نہ کر سکیں۔

؎ عمدۃ القاری

اس طرزِ تفسیر سے نقصان بھی ہوئے ہیں۔ وہ یہ کہ محدثین نے تفسیری روایات بغیر جرح و نقد کے آیات کے تحت درج کر دیں۔ اس وجہ سے منکر اور ضعیف روایات کے ذخیرہ میں بے شمار قیمتی جواہر گم ہو کر رہ گئے۔

دوسرا نقصان یہ ہوا کہ ایک ہی آیت کے تحت ایک دوسرے سے متضاد روایات کو بھی درج کر دیا گیا۔

بعد میں انہی تفسیری روایات نے کئی فتنوں کو جنم دیا۔

اس طرز پر لکھی ہوئی تفسیر طبری مصنفہ ابوجعفر بن جریر طبری تفسیر ابن کثیر مصنفہ ابوالفداء اسماعیل بن الخطیب ہے۔

فقہی تفسیر

جس میں صرف ان آیات کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے جن سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے۔ مثلاً احکام القرآن اسماعیل بن اسحاق، احکام القرآن قاضی یحییٰ بن اکثم، احکام القرآن ابوبکر رازی التفسیرات الاحمدیہ فی آیات الشرعیۃ مصنفہ شیخ احمد ملا جیون (م ۱۱۳۰ھ)۔

ادبی تفسیر

اس قسم کی تفاسیر میں قرآن مجید کا فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بے مثل ہونا ثابت کیا گیا ہے سب سے پہلے جاحظ المتوفی ۲۵۵ھ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ پھر عبدالقادر جرجانی، امام رازی اور قاضی ابوبکر باقلانی نے مفصل کتب لکھیں۔

کلامی تفسیری

جس میں اسلامی عقائد کو عقل کی روشنی میں لکھا جاتا ہے۔ اس طرز پر سب سے عمدہ لکھی ہوئی تفسیر کشاف مصنفہ علامہ زمخشری۔ التفسیر الکبیر مصنفہ علامہ فخرالدین رازی ہیں۔

تفسیر اشاری

اس قسم کی تفاسیر صرف قرآن مجید کی روح اور مقاصد کو سامنے رکھ کر لکھی جاتی ہیں۔ انداز تحریر نہایت ہی دقیق ہوتا ہے اور ان تفاسیر کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو بحر تصوف کا شناور ہو۔

صاحب مناہل العرفان نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۴۹ میں تفسیر اشاری کے قابل قبول ہونے کے

ے حسب ذیل شرائط بیان کی ہیں

۔ نظم قرآن کے معنی سے جو بات واضح ہو۔ اس کے منافی نہ ہو۔

۲۔ اس بات کا دعویٰ نہ کیا گیا ہو کہ اس سے مراد بس یہی ہے۔ اور ظاہری معنی مراد نہیں۔

۳۔ ایسی دور از کار تاویلات پر مشتمل نہ ہو

۴۔ کوئی شرعی اور عقلی امر کے خلاف نہ ہو۔

۵۔ اس کی تائید اور استشہاد کے لئے کوئی شرعی بنیاد ہو۔

تفسیر اشاری کی اہم کتب یہ ہیں۔ تفسیر نیشاپوری۔ تفسیر آلوسی۔ تفسیر تستری تفسیر محمد الدین ابن عربی

تاریخی تفسیر

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام اور قوموں کے واقعات مذکور ہیں۔ ان کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔ مفسرین نے حالات لکھتے ہوئے اسرائیلیات کو بنیاد بنایا ہے علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں اس کے متعلق نہایت ہی بلند پایہ اور محققانہ مضمون لکھا ہے۔ ابن خلدون نے خود بھی انبیاء علیہم السلام کے حالات پر کتاب لکھی ہے۔

آج کل کے مفسرین نے بیہودہ افسانوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اس موضوع پر قصص القرآن مصنفہ حفیظ الرحمن صاحب مرحوم و مغفور کی نہایت عمدہ کتاب ہے۔

نحوی تفسیر

جس میں قرآن مجید کے نحوی مسائل کے متعلق بحث کی ہے مثلاً اعراب القرآن مصنفہ رازی مشہور تصنیف ہے۔

لغوی تفسیر

جس میں قرآن مجید کے مفرد الفاظ کے معانی اور ان کی تحقیق پر بحث ہوئی ہے۔ مثلاً لغات القرآن ابو عبیدہ اور مفردات امام راغب مشہور تصانیف ہیں۔

کونی تفسیر

جس میں سائنس کی ایجادات کو قرآن کی آیات سے مطابقت دینے کی کوشش کی گئی ہو مثلاً طنطاوی

جوہری کی تفسیر الجواہر فی تفسیر القرآن"

تقلیدی تفسیر

اس قسم کی تمام تفاسیر کی بنیاد کسی پہلے گزرے ہوئے محدث یا متکلم کی تفسیر پر ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے معضلات کے حل کرنے میں کوئی نیا قدم نہیں اٹھایا جاتا مثلاً ابن کثیر کی تفسیر ابن جریر کی تفسیر کا ہی چربہ ہے

تجدد پسندانہ تفسیر

متجددین نے مغربی افکار اور نظریات سے متاثر ہو کر اپنے چند ایک مخصوص نظریات قائم کیے۔ پھر انہی نظریات کی صداقت اور حقانیت پر قرآن مجید کی چھاپ لگانے کی ہر ممکن سعی کی۔ اور قرآن مجید کی تشریح انہی نظریات کی روشنی میں کی۔ اس طریقہ تفسیر کے بانی ہندوستان میں سرسید اور مصر میں علامہ طنطاوی ہو گزرے ہیں۔

اصول تفسیر

۱۔ قرآن مجید میں دو قسم کی آیات ہیں۔ محکمات اور متشابہات۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۔

(٦:٣) خدا وہ ذات ہے جس نے تجھ پر کتاب نازل کی۔ اس میں سے کچھ آیات محکم ہیں جو کتاب کی اصل ہیں اور کچھ متشابہات ہیں۔

متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں جن کے ایک سے زیادہ مفاہیم ہیں۔ کسی متشابہ آیت کا مفہوم متعین کرنے کے لیے محکمات کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ متشابہات محکمات کے تابع ہیں۔

۲۔ نظم قرآن کا خیال رکھنا۔

قرآن مجید ایک حکیم ہستی کی طرف سے نازل ہوا ہے اس وجہ سے ہر آیت کا دوسری آیت کے ساتھ ہر سورت کا دوسری سورت کے ساتھ ایک نہایت ہی گہرا تعلق اور ربط ہے۔ تفسیر قرآن کرتے وقت اس ربط کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

بہت سے لوگ نظم کی تلاش کو ایک غیر اہم کاوش تصور کرتے ہیں۔ وہ قرآن کی بے نظمی کو بھی اعجاز قرار دیتے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ وہ قرآن کے غوامض اور رموز پر اطلاع پانے سے قاصر رہے ہیں۔

۳ - سنت اور حدیث پر عبور ضروری ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا۔ آپ نے اپنے قول اور فعل کے ذریعہ اس کی تشریح فرمادی۔ وہ تشریح سنت اور حدیث کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔ اس وجہ سے سنت اور حدیث کو نظر انداز کر کے قرآن مجید کی تفسیر کرنا ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھولنا ہے۔ مختلف ادوار میں ایسے لوگ پائے جاتے رہے ہیں جو قرآن کو سمجھنے کے لئے احادیث اور سنت کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ یہ ان کی بڑی لغزش اور غلطی تھی۔

۴ - اقوال صحابہ کا جاننا۔

فہم قرآن کے لئے صحابہ کرام کے اقوال نہایت ہی قیمتی سرمایہ ہیں۔ صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ علم حاصل کیا۔ پھر بعض صحابہ فہم قرآن میں مشہور تھے اور لوگوں کا مرجع خاص بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے خلفاء راشدین، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابو درداء اور حضرت عائشہؓ خاص طور پر مشہور تھے۔

۵ - ذوق عربی۔

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس وجہ سے قرآن فہمی کے لئے عربی کا ذوق ہونا ضروری ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ جب تک کسی آدمی میں کسی عربی عبارت کو عربی کے ہی انداز فہم اور تعبیر کے مطابق سمجھنے کی صلاحیت نہ ہوگی وہ قرآن مجید کے دلنشیں اسلوب بیان اور اس کے مخصوص انداز تعبیر سے واقف نہیں ہو سکے گا۔

۶ - اقوام عالم کی تاریخ کا علم:

قرآن مجید میں متعدد اقوام کے تاریخی واقعات اشارتاً بیان ہوئے ہیں۔ ان اشارات کو وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لئے اقوام کی تاریخ کا علم ہونا ضروری ہے۔

۷ - مجاہدہ

قرآن مجید کے مطالب کو سمجھنے کے لئے اپنی تمام قوتوں کو خرچ کرنا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔ (عنکبوت ۲۹: ۶۹) یعنی جو ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو راہ راست پر چلا کر منزل مقصود تک پہنچا

جس کے اعتقاد صحیح ہوں، اعمال درست ہوں، مصائب میں ثابت قدم رہے۔ بقدر ہمت و طاقت دوسروں کی ہمدردی کرنے والا ہو۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور وہ تمہیں قرآن مجید سکھائے گا۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔ (۵۶ : ۷۹) سوائے پاکیزہ لوگوں کے اسے کوئی چھو نہیں سکتا۔

خود پسند، متکبر، تعلی مارنے والا قرآن مجید کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ قرآن میں آتا ہے:۔
سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔
(۷ : ۱۴۶) جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے پھرتے ہیں ان کو آیات سے روگرداں کردوں گا۔

۹ - اسماء الہیہ اور الہٰی تقدیس و تنزیہ کے خلاف کسی لفظ کے معنی نہ کئے جائیں۔

اس اصل کو چھوڑنے کی وجہ سے بعض مفسرین نے خطرناک لغزشیں کھائی ہیں۔ تفسیر کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ مفسر دیکھے کہ اس کی تفسیر خدا تعالیٰ کے اسماء یا اس کی صفات کے خلاف تو نہیں اس کی تفسیر سے خدا تعالیٰ کی کسی صفت پر زد تو نہیں پڑ رہی۔

مثلاً إِنَّا نَسِينَا كُمْ کے معنی یہ کرنا کہ ہم انہیں بھول گئے خدا کی صفت کے خلاف ہیں۔ نسی کے معنی ترک بھی لغت عرب میں ہیں۔ اس وجہ سے اس آیت کے یہ معنی کریں گے کہ ہم نے انہیں چھوڑ دیا۔ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وہ خدا، ان کو دھوکا دینے والا ہے۔ یہ معنی خلاف اسماء الہیہ ہیں۔ خدع کے معنی امسک (چھوڑنا) کے بھی ہیں عرب کا محاورہ ہے۔ فلان کان يعطى فخدع فلاں دیتا تھا۔ اب اس نے دینا چھوڑ دیا ہے۔ پس آیت متذکرہ بالا کے یہ معنی کریں گے کہ اللہ ان منافقوں کو محروم رکھنے والا ہے۔ تمام اشیاء میں یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

۱۰ - سنن الہیہ ثابتہ کے خلاف تفسیر نہیں کرنا چاہیئے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور کائنات اللہ تعالیٰ کا فعل۔ اللہ کے قول اور فعل میں کلی طور پر مطابقت ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قول کی تفسیر کرتے وقت سنن الہیہ کا بھی خیال رکھیں گے ایسا نہ ہو کہ تفسیر اللہ کے فعل کے خلاف ہو جائے۔

۱۱ - عرف عام سے جس کو معروف کہتے ہیں معانی باہر نہ نکلیں۔

۱۲ - نور قلب کے خلاف نہ ہو۔

۱۳ - صحبت صالحین۔

فہم قرآن کے لئے صادقین کی صحبت بہت ضروری ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیاوی علوم بغیر استاد کی راہنمائی کے حاصل نہیں ہوتے۔ کیا قرآن مجید جو خدا کے رازوں کا مجموعہ ہے۔ بغیر کسی استاد کامل کے سمجھ

آسکتا ہے۔ ان بزرگوں کی صحبت ایک نور روحانی نکھار پیدا کرتی ہے۔ دوم ان کے علم سے بقدر استعداد مستفیض ہونے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں آتا ہے کونوا مع الصٰدقین (یعنی صادقین کی معیت اور صحبت اختیار کرو۔

۱۴۔ تفسیر مقاصد قرآن کے ماتحت ہو۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے نزول کے کچھ مقاصد ہیں۔ تفسیر کرتے وقت ان مقاصد کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

۱۵۔ تلاوت قرآن کی مزاولت:

کسی علم کو کمال تک پہنچانے کے لئے اس علم کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنانا نہایت ضروری ہے اس مزاولت سے اس علم کی دل میں پختگی اور روشنی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت میں غور و فکر کے ساتھ مزاولت نہایت ضروری ہے تاکہ فہم قرآن کے لئے ذوق پیدا ہو جائے جب تک یہ ذوق پیدا نہیں ہوتا اس وقت تک قرآن کے مطالب تک رسائی مشکل ہوتی ہے۔

۱۶۔ تفسیر القرآن بالقرآن

قرآن مجید میں کسی جگہ ایک مسئلہ اشارۃً بیان ہوا ہے اور کسی جگہ تفصیل سے اس وجہ سے مفسر کے لئے یہ ضروری ہے کہ خود وضاحت قرآن مجید نے کی ہے۔ وہی اختیار کرے اِنَّ الْقُرْاٰنَ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا کہ قرآن کی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔

۱۷۔ آسمانی صحیفوں کا علم ہو

تمام مذاہب کی کتب انسانی ہاتھوں کی قطع و برید سے محفوظ نہیں رہیں تاہم پھر بھی قرآن مجید کے فہم کے لئے کافی مدد دیتی ہیں۔ قرآن مجید نے خود اقرار کیا ہے کہ ان میں ہدایت اور نور کا سامان موجود ہے۔ وہی نور اور ہدایت مومن کا گمشدہ خزانہ ہے۔

۱۸۔ صرف و نحو کا جاننا ضروری ہے۔

بعض اوقات قرآن مجید کے اسرار اور رموز کی صرف و نحو رہنمائی کرتی ہے اور وہاں عجیب و غریب نکات نکل آتے ہیں۔ اس وجہ سے بعض مفسرین نے صرف و نحو کا جاننا ضروری قرار دیا ہے۔

۱۹۔ دعا:

متذکرہ بالا اصول لکھنے کے بعد یہ کہنا ضروری ہے کہ مفسر کے لئے لازمی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت یہ دعا کرتا رہے کہ اس پر قرآن مجید کے اسرار اور رموز کھلتے رہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو منبع علوم تھے وہ بھی رب زدنی علما پڑھا کا وظیفہ کرتے رہتے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازدیاد علم کے لئے دعا کرتے رہتے تھے تو بھلا ایک امتی کیلئے اس سے بے نیاز

ہو سکتا ہے۔

سوال ۱۔ تفسیر بالرائے پر بحث کرتے ہوئے یہ واضح کیجئے کہ ایک مفسر کو کن کن پہلوؤں پر بحث کرنا چاہیے۔

تفسیر بالرائے

جو مفسر اصول تفسیر قرآن کو نظر انداز کر کے قرآن مجید کی تفسیر کرتا ہے وہ تفسیر بالرائے اور تفسیر بلا علم کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: من تکلم فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار[1] جو شخص علم کے بغیر قرآن کے بارہ میں کچھ کہتا ہے اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کا قول بھی اس سلسلہ میں مشہور ہے ای ارض تقلنی و ای سما تظلنی اذا قلت فی القرآن ما لا اعلم[2] مجھ کو کون سی زمین اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا۔ جب کہ قرآن کے بارہ میں وہ بات کہوں جسے میں جانتا نہیں۔

تفسیر قرآن میں اسلاف کی احتیاط

ہمارے زمانہ نا مسعود میں عربی کی معمولی شدبد رکھنے والا بھی قرآن کے مطالب بیان کرنے کا اپنے آپ کو اہل سمجھتا ہے۔ اور اصول تفسیر قرآن کے خلاف اپنی طرف سے جدت طرازی کو فخر محسوس کرتا ہے۔ اور اس کا نام اسلام کی خدمت رکھتا ہے۔ اگر ان کو صحابہ، تابعین اور اسلاف کی احتیاط کا علم ہو تو ممکن ہے وہ ایسی جسارت نہ کریں۔

وہ صحابہ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکوٰۃ نور سے فیض حاصل کیا۔ آپ کی قوت قدسی سے گناہوں سے نجات حاصل کی۔ عربی ان کی مادری زبان تھی۔ قرآن ان کے سامنے نازل ہوا تھا وہ بھی قرآن کی تفسیر اور مطالب بیان کرنے میں احتیاط برتتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ "میں نے مدینہ طیبہ کے فقہاء کو دیکھا۔ یہ حضرات قرآن کی تفسیر بیان کرنے کو بڑا اہم اور ضروری کام سمجھتے تھے۔ حضرت سالم بن عبد اللہ۔ حضرت قاسم بن محمد حضرت سعید بن مسیب۔ حضرت نافع ان ہی حضرات میں سے تھے[3]۔

یحیٰ بن سعید کا بیان ہے کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا سعید بن مسیب سے قرآن مجید کی کسی آیت کے بارہ میں دریافت کر رہا تھا۔ مگر آپ نے جواب دیا۔ میں قرآن سے متعلق کچھ نہیں کہوں گا[4]۔

---

[1] ترمذی، ابوداؤد، نسائی [2] ابن جریر ج ۱ ص [3] تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۲۸ [4] تفسیر ابن جریر طبری ج ۱ ص ۲۸

اصمعی لغت اور ادب کا بہت بڑا امام تھا۔ وہ قرآن کی تفسیر کرنے میں بالکل خاموش رہتا تھا اس سے کسی آیت کی نسبت دریافت کیا جاتا تو کہتا عرب اس کے یہ معنی بیان کرتے ہیں۔ میں نہیں جانتا اس سے کیا مراد ہے [1]

ابوطیب کہتا ہے۔ اصمعی بہت عبادت گزار تھا۔ وہ قرآن کی کسی آیت کی تفسیر نہ کرتا تھا۔

ہمارے ان اسلاف کی اس احتیاط کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ قرآن کے متعلق لب کشائی کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ بلکہ اس اہم ذمہ داری کا بوجھ انہی بزرگوں اور راسخین فی العلم کے کندھوں پر ڈالنا چاہتے تھے جنہوں نے اپنی عمریں قرآن مجید کے رموز و غوامض معلوم کرنے میں بسر کی تھیں۔

صحابہ کرام کے زمانہ میں خاص خاص صحابہ قرآن دانی میں مشہور تھے۔ لوگ انہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ مثلاً خلفاء راشدین، ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر، زید بن ثابت وغیرہ۔ یہ لوگ دن رات قرآن مجید کے درس و تدریس میں بسر کرتے تھے۔ صحابہ کے دور کے بعد تابعین اور تبع تابعین میں سے کچھ فہم قرآن میں مشہور ہوگئے۔ لوگ انہی کی طرف رجوع کرتے۔ مثلاً حضرت مجاہد جو علم تفسیر میں ایک نشانی تھے۔

حضرت محمد بن اسحاقؒ نے اپنے استاد سے روایت کی ہے کہ مجاہد کہتے تھے میں نے مصحف قرآن شروع سے آخر تک تین مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے پیش کیا، ہر آیت پر انہیں ٹھہراتا اور تفسیر پوچھتا تھا۔ اسی طرح دوسرے تابعین اور تبع تابعین جن کا مرتبہ قرآن دانی میں بہت بلند ہے۔ مثلاً سعید بن جبیر، عکرمہ، ابن عباس، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، مسروق بن الاجدع، سعید بن المسیب، ابوالعالیہ، ربیع، قتادہ، ضحاک بن مزاحم وغیرہ لوگ انہی بزرگوں کی طرف قرآن کی کسی آیت کا مطلب دریافت کرنے کے لئے رجوع کرتے۔ غرض کہ ہر دور میں بعض ایسے بزرگ ہوتے ہیں جنہوں نے قرآن کے مکتومہ رموز کو معلوم کرنے کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا تھا۔ لوگ انہی کی طرف رجوع کرتے۔

ہمارے زمانہ کی یہ بدبختی ہے کہ ہر پڑھے لکھے نے قرآن مجید کے مطالب بیان کرنے میں لب کشائی کرنا اپنا فرض سمجھ لیا ہے جس وجہ سے نئے نئے فتنے جنم لے رہے ہیں اور تعلیم یافتہ طبقے کی طبیعتیں قرآن سے متنفر ہو رہی ہیں۔

مفسر کو تفسیر کرتے وقت کن کن پہلوؤں پر بحث کرنا چاہیئے

۱۔ اسلوب کتاب اس کے معانی اور طرق بلاغت کے متعلق بحث کی جائے اس پہلو پر بحث کرنے

---

[1] المزہر ج ۲ ص ۳۰۲

سے قرآن کی عظمت اعجاز قاری کے سامنے آجاتی ہے اس پہلو پر علامہ زمخشری نے کافی روشنی ڈالی ہے۔

۲۔ اسلوب کلمات حرکات وسکنات صیغوں وغیرہ سے بحث کی جائے۔

۳۔ قرآن مجید کے قصص وحکایات، اسلاف وامم ماضیہ کے سوانح کے متعلق بحث کی جائے ہمارے مفسرین اس پہلو پر بحث کرتے وقت حد اعتدال سے آگے نکل گئے ہیں۔ اسرائیلیات پر اعتماد کرتے ہوئے تفاسیر کو رطب ویابس سے بھر دیا ہے۔

۴۔ قرآن مجید کے احکام شرعیہ، معاملات، عبادات وغیرہ کی فلاسفی پر بحث کی جائے۔

۵۔ اسلامی عقائد کا اثبات اور ملحدین کے عقائد باطلہ کی تردید کی جائے۔

۶۔ مواعظ اور نصائح پر بحث کی جائے۔

۷۔ قرآن مجید کے اشارات اور ایماء کے متعلق بحث کی جائے بعض مفسرین نے اس پہلو پر بحث کرتے ہوئے غلو سے کام لیا ہے فرقہ باطنیہ سے تعلق رکھنے والے مفسرین نے اپنی کتب کو خرافات سے بھر دیا ہے۔

سوال۔ عربی تفاسیر کی ابتدا اور ارتقاء پر مفصل بحث کیجیے۔

علم تفسیر کی ابتدا اور ارتقاء

دور اوّل

عربی تفاسیر

علم تفسیر ایک قدیم فن ہے جس کی ابتداء رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ آپ پر قرآن کی وحی نازل ہوتی تھی۔ آپ وحی خفی کے تحت عمل اور قول کے ذریعہ تشریح فرما دیتے تھے۔ عملی تشریح کا نام سنت ہے اور قولی تشریح کا نام حدیث ہے اس قدر قرآن مجید کے مفسر اوّل رسول کریمؐ ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا استنباط قرآن کریم کی آیات سے کیا ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ میں سے خلفاء راشدین، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوموسیٰ اشعری مشہور مفسر ہوئے ہیں

دورِ تابعین

یہ طبقہ تابعین کا ہے۔ ان لوگوں نے صحابہ کرام سے قرآن سیکھا تھا۔ تابعین میں سے مجاہد، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، طاؤس، سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، حسن بصری، عطاء بن ابی سلمہ خراسانی، محمد بن کعب قرظی، ضحاک، قتادہ، ابوالاسود بن عمر، مسروق بن اجدع، مقاتل بن حبان، مالک بن انس مشہور ہیں۔

تیسری صدی کی تفاسیر

اس صدی میں علم تفسیر کے علاوہ قرآن سے متعلق کئی نئے فنون پر کتب لکھی گئیں۔ ان میں چند مشہور حسب ذیل ہیں۔

۱۔ علم افراد و جمع یعنی قرآن مجید کے مفرد اور جمع الفاظ کی تشریح۔ اس کے متعلق سب سے پہلے شیخ ابوالحسن سعید بن مسعدہ الاخفش (متوفی ۲۱۱ھ) نے کتاب لکھی۔

۲۔ علم اسباب النزول۔ اس کے متعلق سب سے پہلے علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ) نے لکھا۔

۳۔ علم اختلاف المصاحف۔ اس کے متعلق سب سے پہلی تصنیف ابوحاتم سہل بن محمد سجستانی (۲۲۸ھ) کی ہے۔

۴۔ علم الناسخ والمنسوخ۔ اس کے متعلق سب سے پہلے شیخ ابوعبیدہ قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ) نے کتاب لکھی۔

۵۔ علم سجود القرآن۔ اس کے متعلق شیخ ابواسحاق ابراہیم (۲۸۵ھ) نے سب سے پہلے کتاب لکھی۔

۶۔ علم ضمائر پر شیخ ابوعلی احمد بن جعفر دینوری نے کتاب لکھی۔

۷۔ علم شواذ فی القراۃ پر شیخ ابوالعباس احمد بن یحیی معروف بہ ثعلب نے کتاب لکھی

۸۔ علم فواصل آیات پر شیخ محمد بن یزید واسطی نے ایک رسالہ لکھا۔

۹۔ علم وقف و ابتداء پر شیخ ابواسحاق ابراہیم بن سری نے تصانیف کیں۔

مشہور تفاسیر

۱۔ تفسیر عبدالرزاق مصنفہ امام حافظ عبدالرزاق بن ہمام (متوفی ۲۱۱ھ)

۲۔ تفسیر ابن ابی م متوفی ۲۲۵ھ)

۳۔ تفسیر ابن راہویہ مصنفہ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد المعروف بابن راہویہ اسحاق (متوفی ۲۳۸ھ) ۔

۴ - تفسیر عبد بن حمید (متوفی ۲۴۹ھ)
۵ - تفسیر بخاری مصنفہ امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ)
۶ - تفسیر ابن ماجہ (متوفی ۲۷۳ھ)
۷ - احکام القرآن مصنفہ قاضی ابی اسحاق اسماعیل بن اسحاق (متوفی ۲۸۲ھ)

چوتھی صدی کی تفاسیر

اس صدی میں بہت سی تفاسیر لکھی گئیں جن میں سے چند تفاسیر حسب ذیل ہیں۔

۱ - تفسیر ابن جریر - اس تفسیر کے مصنف کا نام محمد بن جریر بن یزید الامام ابوجعفر الطبری (۳۱۰ھ) ہے۔ ان کی پیدائش قصبہ امل طبرستان میں ہوئی۔ اس تفسیر کی گیارہ جلدیں اور تیس حصے ہیں۔ ضحاک کے اقوال و تفاسیر جو بشر بن عمارہ کے ذریعہ اس میں درج ہیں۔ وہ غیر معتبر ہیں کیونکہ حفاظ نے بشیر کو ضعیف کہا ہے۔ تفسیر ابن جریر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، صحابہ اور تابعین کے اقوال آگئے ہیں۔ ایک حد تک لغت کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ جلال الدین سیوطی نے بہت تعریف کی ہے۔ اس تفسیر کو ابوصالح منصور بن نوح کے عہد ۳۵۰ھ - ۳۶۶ھ - (۹۶۱ - ۹۷۶ء) میں فارسی زبان میں منتقل کیا گیا۔

۲ - تفسیر انماطی مصنفہ ابوالقاسم ابراہیم بن اسحاق انماطی (متوفی ۳۰۴ھ)

۳ - تفسیر عبدالرحمٰن بن ابی حاتم - قصبہ رے میں پیدا ہوئے۔ حجاز، مصر، شام اور عراق کے علماء سے کسب علم کیا۔ امام سیوطی کے بیان کے مطابق یہ تفسیر بارہ جلدوں میں ہے۔ امام سبکی نے چار جلدوں میں بیان کیا ہے۔ آپ کی وفات ۳۲۷ھ میں ہوئی۔

۴ - جامع التاویل مصنفہ محمد بن بحر الاصبہانی (متوفی ۳۲۲ھ)

۵ - شفاء الصدور مصنفہ محمد بن الحسن بن محمد المقری (متوفی ۳۵۱ھ) یہ تفسیر بارہ ہزار اوراق پر مشتمل ہے اس تفسیر کو بہت مقبولیت حاصل رہی۔ چنانچہ ابوبکر النقاش اس تفسیر کا مطالعہ کرتے تھے اور درس دیتے تھے۔

۶ - موضح فی معانی القرآن اور اشارہ فی غریب القرآن ابوبکر محمد بن الحسن (متوفی ۳۵۱ھ) نے تحریر کی۔

۷ - احکام القرآن جو ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص (متوفی ۳۷۰ھ) کی تصنیف ہے تین جلدوں میں ہے اور طبع ہو چکی ہے۔

۸ - الاستغنا فی علم القرآن مصنف کا نام محمد بن علی احمد ہے۔ نحو، قرات اور تفسیر کا بہت بڑا عالم تھا۔

ایک سو بیس جلدوں میں تفسیر مکمل کی۔ اس تفسیر کا ایک مکمل نسخہ مصر میں قاضی عبدالرحیم کے وقف کتب خانہ میں موجود ہے۔ مصنف کی وفات ۳۸۸ھ میں ہوئی۔

۹۔ تفسیر ابی اللیث۔ مصنف کا نام نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم ابو اللیث ہے۔ سمرقند کے بہت بڑے عالم تھے۔ چار جلدوں میں تفسیر قرآن لکھی یہ تفسیر نویں ہجری تک متداول اور مقبول عام رہی۔ اس کا ترکی زبان میں بھی ترجمہ کیا گیا۔

۱۰۔ خلف بن احمد نے اپنے زمانہ کے علماء کو جمع کر کے ان سے ایک تفسیر لکھوائی تاریخ ادبیات ایران میں ہے کہ یہ تفسیر سو جلدوں میں تھی۔ اس تفسیر کا ایک نسخہ نیشاپور کے مدرسہ صابونی میں موجود ہے۔

پانچویں صدی کی تفاسیر

۱۔ تفسیر ابن فورک۔ مصنف کا نام محمد بن الحسن ہے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ایک سو تک پہنچتی ہے۔ ۴۰۶ھ میں انتقال ہوا۔

۲۔ تفسیر ثعلبی۔ مصنف کا نام ابو اسحق احمد بن ابراہیم ہے۔ ان کا شمار نیشاپور کے جید علماء میں سے ہوتا ہے۔ ابن تیمیہ کا قول ہے کہ ثعلبی اگرچہ دیندار اور متقی تھا مگر تفسیر میں رطب و یابس کو جمع کرتا ہے۔ کتانی نے کہا ہے کہ تفسیر ثعلبی میں موضوع احادیث اور بے سند قصے بھی ہیں۔ البتہ ابن خلکان نے اس تفسیر کی تعریف کی ہے۔ وفات ۴۲۷ھ میں ہوئی۔

۳۔ تفسیر البرہان تفسیر القرآن۔ مصنف کا نام شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم بن سعید الحوفی ہے عمان کی ایک بستی حوف میں پیدا ہوئے ۴۳۰ھ میں انتقال ہوا۔

۴۔ کفایۃ فی التفسیر۔ ابو عبدالرحمٰن اسماعیل بن احمد کی تصنیف ہے ۳۶۱ھ میں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ نابینا تھے۔ امام زاہد السرخسی سے اکتساب فیض کیا۔ ۴۳۰ھ میں فوت ہوئے۔

۵۔ ضیاء القلوب مصنفہ شیخ ابی الفتح سلیم بن ایوب رازی۔ (متوفی ۴۴۷ھ)

۶۔ حدائق ذات البہجہ۔ مصنف کا نام ابو محمد عبداللہ بن یوسف ہے۔ نیشاپور کے قریب جوین نامی بستی میں پیدا ہوئے۔ یہ تفسیر خلیفہ چلپی کے قول کے مطابق تین سو جلدوں پر مشتمل ہے۔ ابن النجار نے پانچ سو جلدوں پر مشتمل لکھا ہے۔ یہ تفسیر فنی اور علمی اعتبار سے گری ہوئی ہے۔ مصنف کی وفات ۴۳۸ھ میں ہوئی۔

۷۔ تفسیر صابونی مصنف کا نام اسماعیل بن عبدالرحمٰن ہے۔ نیشاپور کے جید علماء میں سے تھے۔ صابونی لقب تھا غور و فکر کرنے کے بعد کسی آیت کی تفسیر کرتے تھے

۸۔ تفسیر الماوردی۔ مصنف کا نام ابوالحسن علی بن محمد البصری ہے۔ ماوردی کا میلان معتزلہ عقائد کی طرف تھا۔ امام سیوطی اور سبکی نے بھی کہا ہے کہ ماوردی بعض مسائل میں معتزلہ کے نظریہ کا حامی تھا۔ مصنف کی وفات ۴۵۰ھ میں ہوئی۔

۹۔ احکام القرآن مصنفہ شیخ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ)

۱۰۔ تیسیر معروف تفسیر قشیری۔ مصنفہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن (م ۴۶۵ھ)

۱۱۔ تفاسیر بسیط و وسیط و الوجیز۔ یہ تینوں تفاسیر علی بن احمد محمد بن علی الواحدی کی ہیں۔ صحابہ کرام کے تمام تفسیری اقوال کو جمع کر دیا ہے۔ مصنف ۴۶۸ھ میں فوت ہوا۔

۱۲۔ تاج التراجم فی تفسیر القرآن للعجم۔ مصنفہ شہفور بن طاہر محمد الاسفرائنی (متوفی ۴۷۱ھ) سی اے سٹوری لکھتے ہیں کہ اس تفسیر کو تفسیر طاہری کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس تفسیر کے دو حصے مشتمل بر نصف اوّل و نصف آخر قرآن آکسفورڈ میں موجود ہیں۔ یہ تفسیر فارسی زبان میں ہے۔

۱۳۔ لطائف الاشارات مصنفہ الامام ابوالقاسم عبدالکریم (متوفی ۴۶۵ھ)

۱۴۔ تفسیر الشیرازی مصنفہ شیخ عبدالوہاب بن محمد بن عبدالوہاب (متوفی ۵۰۰ھ) یہ تفسیر نظم میں ہے۔

۱۵۔ تفسیر سورآبادی۔ سی اے سٹوری کے بیان کے مطابق یہ تفسیر ابوبکر عتیق بن محمد سورآبادی اصرہوی نے تصنیف کی ہے۔ جو سلطان الپ ارسلان کے ہم عصر تھے۔ سلطان مذکور نے ۴۵۵ھ سے ۴۶۵ھ تک حکومت کی ہے۔ یہ تفسیر فارسی زبان میں ہے۔

چھٹی صدی کی تفاسیر

۱۔ لباب التفسیر مصنفہ شیخ برہان الدین ابوالقاسم محمود بن حمزہ بن نصر کرمانی مقری (متوفی ۵۰۱ھ)۔

۲۔ البدیع و البیان مصنفہ شیخ حسن بن فتح بن حمزہ (متوفی ۵۰۱ھ)

۳۔ تفسیر الراغب۔ مصنف کا نام ابوالقاسم حسین بن محمد بن المفضل المعروف بالراغب الاصفہانی خلیفہ چلپی نے لکھا ہے کہ یہ ایک جلد میں ہے اس تفسیر کا پورا نام درة التنزیل و غرة التاویل ہے۔ جس کا ایک مکمل نسخہ استانبول کی مسجد ایاصوفیہ کے کتب خانہ میں ہے۔ آپ کی وفات ۵۰۲ھ میں ہوئی۔

۴۔ تفسیر امام غزالی۔ مصنف کا نام ابوحامد محمد بن محمد غزالی ہے۔ تفسیر کا نام یاقوت التاویل ہے۔ آپ کی وفات ۵۰۵ھ میں ہوئی۔

۵۔ معالم التنزیل۔ شیخ الامام محی السنۃ ابومحمد حسین بن مسعود الفراء بغوی کی تصنیف ہے۔ اس تفسیر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے آپ کی وفات ۵۱۶ھ میں ہوئی۔

۶۔ تفسیر کشاف۔ مصنف کا نام علامہ ابوالقاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری ہے۔ ۴۶۷ھ میں خوارزم کے قصبہ زمخشر میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لئے مصر، خراسان، بغداد کے سفر اختیار کئے معتزلہ کے نظریات پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ابن خلدون، ابن قیم، امام سبکی امام سیوطی نے اس تفسیر کو اسلام کے عقائد کے خلاف قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود یہ کتاب متداول اور مقبول رہی ہے۔ حاصل مختار مثلاً تفتازانی (م ۷۹۲ھ) اور سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ) اس کی شرح لکھی ہے زمخشری کی وفات ۵۳۸ھ (م ۳۸ھ) میں ہوئی تھی۔

۷۔ التیسیر فی التفسیر مصنف عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل نجم الدین ابوحفص النسفی متوفی ۵۳۸ھ

۸۔ انوار الفجر۔ مصنف کا نام محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ کنیت ابوبکر لقب ابن العربی تھا امام غزالی سے علم حاصل کیا۔ یہ تفسیر اسی ہزار اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کو کشف الظنون میں قانون التاویل کا نام دیا گیا ہے۔ آپ کی وفات ۵۴۳ھ میں ہوئی۔

۹۔ تفسیر ابن عطیہ۔ مصنف کا نام ابومحمد عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی ہے۔ علماء نے اس تفسیر کو بہت پسند کیا ہے۔ آپ نے ۵۴۶ھ میں وفات پائی۔

ساتویں صدی کی تفاسیر

۱۔ تفسیر مفاتیح الغیب یا تفسیر کبیر۔ یہ تفسیر امام فخرالدین محمد بن عمر رازی نے لکھی ہے۔ امام صاحب رے میں ۵۴۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔ امام صاحب نے سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ انبیاء تک تفسیر لکھی۔ کچھ سورتوں کی تفسیر قاضی شہاب الدین بن خلیل احمد الدمشقی (المتوفی ۶۳۹ھ) نے کی۔ اور ان کے بعد شیخ نجم الدین احمد بن محمد (م ۷۷۷ھ) نے تفسیر مکمل کی۔ یہ تفسیر چونکہ بہت بڑی ہے اس کی تلخیص برہان الدین محمد بن محمد النسفی نے کی ہے اور اس کا نام واضح رکھا۔ محمد بن قاضی نے بھی اس کی تلخیص کی ہے۔ اور اپنی طرف سے بعض مفید اضافے بھی کیا ہے۔ اس تفسیر کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اس زمانہ میں علوم عقلیہ کی رو سے اسلام پر اعتراضات ہو رہے تھے۔ ان کے اس میں جوابات ہیں۔
۲۔ تفسیر کبیر میں مفسرین کے اقوال مختلفہ پر تنقید کی گئی ہے جو قول پسند آیا ہے اسی کو انتخاب کیا ہے
۳۔ اس میں کلامی بحثوں کا زور ہے۔ اشعریت کی حمایت دل کھول کر کی ہے۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے۔ کہ "اس تفسیر میں سوائے تفسیر کے سب کچھ ہے"۔ اس تنقیدی فقرہ میں سچائی کی جھلک نہیں ہے ہر تفسیر اپنے وقت کی علمی۔ ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں سے متاثر ہوتی ہے۔ اس زمانہ کے فکری رجحانات کا علم ہوتا ہے چونکہ امام رازی کے عہد میں دو مدرسہ فکر معتزلہ اور اشعریہ کے افکار

کی زبردست منکر تھی۔ اور امام صاحب اشعریہ خیال کے زبردست حامی تھے اس وجہ سے معتزلہ کے عقائد کی رو میں حد سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ امام صاحب کا راہ اعتدال سے ہٹ جانے سے یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ یہ تفسیر بلند پایہ نہیں۔ اس تفسیر کا مقام ساتویں صدی کے ماحول کو مدنظر رکھ کر متعین کرنا چاہیئے۔

۲۔ تفسیر ابن الاثیر۔ مصنف کا نام مبارک بن محمد بن عبدالکریم شیبانی ہے۔ ابن اثیر کے لقب سے مشہور ہیں آپ کی وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی۔

۳۔ تفسیر الارشاد فی تفسیر القرآن۔ مصنف کا نام امام عبدالسلام بن عبدالرحمان ہے اشبیلہ کے جید علماء میں سے تھے اور ابن برجان کے نام سے مشہور تھے۔ ۶۲۷ھ میں وفات پائی۔ اس تفسیر کا ایک عکسی نسخہ جامع الدول العربیہ قاہرہ کے قلمی ذخائر میں موجود ہے۔

۴۔ تفسیر البیان فی تفسیر القرآن۔ مصنف کا نام معانی بن اسماعیل بن الحسین ہے۔ موصل کے علماء میں شمار ہوتا تھا۔ مدرسہ صالحیہ میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔ ۶۳۰ھ میں وفات پائی۔

۵۔ نہایۃ التامیل فی علوم التنزیل۔ مصنف کا نام شیخ عبدالواحد بن عبدالکریم ہے۔ آپ قصبہ زملکا یا زملکان قریب دمشق میں پیدا ہوئے۔ ۶۵۱ھ میں وفات پائی۔ اس تفسیر کے دو نسخے دارالکتب المصریہ میں موجود ہیں۔

۶۔ تفسیر ابن جوزی۔ مصنف کا نام یوسف بن قزاغلی بن عبداللہ شمس الدین الجوزی (م ۶۵۴ھ) ہے۔ یہ تفسیر ۲۹ جلدوں میں لکھی گئی۔

۷۔ مطلع انوار التنزیل و مفاتیح اسرار التاویل۔ مصنف کا نام عبدالرزاق بن رزق اللہ بن ابی بکر حنبلی ہے۔ آپ کی وفات ۶۶۱ھ میں ہوئی۔ یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔

۸۔ "التحریر والتحبیر" یہ تفسیر پچاس تفسیری کتب کا مجموعہ ہے۔ مصنف کا نام محمد بن سلیمان بن الحسن جمال الدین ابوعبداللہ ہے۔ ابن نقیب کے نام سے مشہور ہوئے جلیل القدر علماء میں شمار ہوتا ہے۔ علماء نے اس تفسیر کی بہت تعریف کی ہے۔ مصنف کی وفات ۶۸۸ھ میں ہوئی۔

۹۔ تفسیر قرطبی۔ عبداللہ محمد بن احمد قرطبی نے لکھی ہے آپ کی وفات ۶۷۱ھ میں ہوئی۔

۱۰۔ تفسیر کواشی۔ مصنف کا نام موفق الدین احمد بن یوسف ہے۔ آپ کی وفات ۶۸۰ھ میں ہوئی تھی۔ اس تفسیر کے دو حصے ہیں۔ ایک بڑا حصہ ہے جس کا نام تبصرہ ہے۔ ایک چھوٹا جس کا نام تلخیص ہے۔ اس مجموعہ کا نام کشف الحقائق فی التفسیر ہے۔

۱۱۔ تفسیر انوار التنزیل۔ یہ تفسیر بیضاوی کے نام سے مشہور ہے۔ مصنف کا نام قاضی ناصر الدین عبداللہ بن

عمر ہے مضافات شیراز میں واقع ایک قصبہ بیضا میں پیدا ہوئے۔ بہت بڑے عالم اور مصنف تھے۔ آپ کا وصال ۶۸۵ھ میں ہوا۔ یہ تفسیر نہایت عمدہ اور معتبر ہے۔ تفسیر اور تاویل دونوں کا مجموعہ ہے۔ اہلسنت والجماعت کے طریق پر لکھی گئی ہے۔ مولانا عبدالحق حقانی لکھتے ہیں۔
"انوار التنزیل واسرار التاویل قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی کی تصنیف ہے۔ وفات ۶۸۵ھ میں تبریز میں ہوئی۔ اس کتاب میں اعراب و معانی و بیان کے متعلق جو کچھ ہے وہ کشاف سے ماخوذ ہے اور جو کچھ حکمت و کلام سے متعلق ہے وہ تفسیر کبیر سے ہے۔ اور جو کچھ اشتقاق و غوامض و لطائف و ارشاد سے متعلق ہے۔ وہ تفسیر راغب سے ملخص ہے اور باقی اپنی طبع زاد خیر جو کچھ ہو مگر یہ کتاب نہایت عمدہ اور بڑی مشہور ہے" [1]

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ زیر لفظ قرآن مطبوعہ برطانیہ ۱۹۵۱ء میں لکھا ہے۔ "تفسیر بیضاوی اسلامی دنیا میں بکثرت پڑھی جانے والی کتاب ہے۔"
تمام مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس تفسیر میں سورتوں کے فضائل کے بارے میں احادیث کو احتیاط سے نہیں لکھا۔
اس تفسیر کے بے شمار حاشیے اور شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔

آٹھویں صدی کی تفاسیر

۱۔ مدارک التنزیل۔ مصنف کا نام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود (متوفی ۷۱۰ھ) ہے۔ ماوراء النہر کے قصبہ نسف میں ولادت کی نسبت سے نسفی مشہور ہوئے ہیں۔ اس کتاب میں اہلسنت والجماعت کے عقائد اور فقہ حنفی کے دلائل کا ذکر ہے۔ اس کا خلاصہ شیخ زین الدین عینی (متوفی ۸۹۳ھ) نے لکھا ہے۔ مولانا عبدالحق مہاجر مکی نے شرح "الاکلیل علی مدارک التنزیل" آٹھ جلدوں میں لکھی ہے۔

۲۔ تفسیر علامی۔ مصنف کا نام علامہ قطب الدین محمود بن مسعود ہے۔ ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔ اس تفسیر کا پورا نام فتح المنان فی تفسیر القرآن ہے۔ حاجی خلیفہ نے اسے چالیس جلدوں میں بتایا ہے۔

۳۔ فتح القدیر۔ مصنف احمد بن عبدالولی المقدسی (متوفی ۷۰۷ھ)

۴۔ تفسیر القرآن مصنف تقی الدین ابوالعباس احمد بن تیمیہ۔ مصنف ربیع الاول ۶۶۱ھ میں قصبہ حران میں

---

[1] مقدمہ تفسیر حقانی طبع یازدھم جلد ۱ ۱۹۵۱ء دہلی ص ۱۰۵۔

پیدا ہوا۔ فقہ، حدیث اور تفسیر میں کامل دسترس رکھتا تھا۔ آپ حنبلی مذہب کے پیرو تھے۔ مولانا شبلی فرماتے ہیں۔ "اسلام میں سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں علما و فضلا مجتہدین ائمہ فن اور مدبرین گزرے لیکن مجدد بہت کم۔ مجدد کے لئے تین شرطیں ہیں

۱۔ مذہب، علم یا سیاست میں کوئی مفید انقلاب پیدا کر دے۔

۲۔ جو خیال اس کے دل میں آیا ہو وہ کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو بلکہ اجتہادی ہو

۳۔ جسمانی مصیبتیں اٹھائی ہوں، جان پر کھیلا ہو، سرفروشی کی ہو۔

تیسری شرط اگر ضروری قرار نہ دی جائے تو امام ابو حنیفہ امام غزالی امام رازی اور شاہ ولی اللہ صاحب اس دائرہ میں آسکتے ہیں۔ لیکن جو ریفارمر کا اصلی مصداق ہو سکتا ہے وہ علامہ ابن تیمیہ ہیں۔ مجددیت کی اصلی خصوصیات جس قدر علامہ کی ذات میں پائی جاتی ہیں۔ اس کی نظیر بہت کم مل سکتی ہے۔ (حیات ابن تیمیہ صفحہ ۱)

امام ابن تیمیہ کی تصانیف کثرت سے ہیں۔ بعض نے پانچ سو کے قریب تصانیف بیان کی ہیں

تفسیر القرآن کے متعلق ابن قدامہ نے کہا ہے کہ یہ پچاس جلدوں میں تھی اور ابن بطوطہ نے تیس جلدوں میں کہا ہے۔ آپ کی وفات ۲ ذی قعدہ ۷۲۸ھ میں ہوئی۔

۵۔ تفسیر خازن مصنفہ الشیخ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم۔ یہ تفسیر علامہ بغوی کی تفسیر معالم التنزیل کا اختصار ہے۔ مصنف نے ۷۴۱ھ وفات پائی۔

۶۔ اشاویل لمعالم التنزیل۔ مصنفہ علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن خلیل۔ متوفی ۷۴۱ھ

۷۔ فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب۔ مصنفہ الحسین بن محمد بن عبد اللہ واسط اور تستر کے درمیان قصبہ طیب میں پیدا ہوئے۔ اسی نسبت سے طیبی مشہور ہوئے۔ یہ تفسیر کشاف کا حاشیہ ہے۔ جب حاشیہ لکھنے کا ارادہ کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف میں دیکھا کہ آپ نے طیبی کو دودھ کا بھرا ہوا پیالہ دیا جس کو انہوں نے پی لیا۔ اس کے بعد یہ کشاف کا حاشیہ لکھا۔ یہ مستقل تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ محررہ ۷۹۰ھ۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

مصنف نے ۷۴۳ھ میں وفات پائی۔

۸۔ البحر المحیط۔ یہ تفسیر شیخ اثیر الدین ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی کی تصنیف ہے۔ یہ تفسیر دس جلدوں میں ہے۔ پھر خود ہی اس تفسیر کو دو جلدوں میں مختصر کیا اور اس کا نام النہر الماد من البحر رکھا۔

علامہ اپنی تفسیر کی تالیف کے سبب کے بارے میں خود فرماتے ہیں۔

"...... اور یہ بات میرے ذہن میں بار بار آتی رہی اور میرے افکار پر ابھرتی رہی کہ جب میں پختگی کی عمر کو پہنچوں گا اور ایسی عمر کو پہنچوں گا جب کہ انسان خلوت پسند ہو جاتا ہے۔ تو میں خدا تعالیٰ کی پناہ لیتے ہوئے تفسیر قرآن شروع کروں گا۔ خدا تعالیٰ نے میری یہ خواہش اس سے قبل ہی پوری کر دی اور مجھے اس ارادہ کو پورا کرنے کی اس طرح توفیق دی کہ مجھے سلطان الملک منصور کے عہد میں مدرسہ میں علم تفسیر پڑھانے پر فائز کر دیا گیا اور اس وقت ۷۱۰ھ کا آخر تھا اور میری عمر ۵۷ سال تھی" دیباچہ تفسیر مذکور میں آپ فرماتے ہیں کہ بحر المحیط کی تالیف سے قبل میں نے تمام مشہور کتب غور و خوض سے پڑھیں۔ ان کی معلومات کا خلاصہ نکالا اور مشکلات و دقائق کا خلاصہ نکالا۔ تفسیر لکھنے کا طریقہ یہ ہے

(۱) پہلے مشکل الفاظ کی لغت بیان کرتے ہیں۔

(۲) بعد ازاں آیات کا شان نزول بیان کرتے ہیں۔

(۳) آیات کا باہمی ربط اور تعلق بیان کرتے ہیں۔

(۴) پھر قراٰت شاذہ و مستقلہ کا ذکر کرتے ہیں۔

(۵) معانی کی وضاحت کے لئے سلف صالحین کے اقوال بیان کرتے ہیں۔

(۶) ادبی و دقائق بھی بیان کرتے ہیں۔

(۷) فقہاء اربعہ کا مسلک بیان کرتے ہیں۔

(۸) تفسیر مکمل کرنے کے بعد ساری تفسیر کی تلخیص بیان کرتے ہیں۔

(۹) صوفیاء کے کلام کو ترجیح دیتے ہیں۔

مصنف نے ۲۸ صفر ۷۴۵ھ میں وفات پائی۔

۹۔ الدر النظیم فی تفسیر القرآن الکریم، مصنفہ علی بن عبد الکافی السبکی (م ۷۵۶ھ)

۱۰۔ تفسیر ابن کثیر۔ یہ کتاب امام ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی کی تصنیف ہے آپ نے ابن عساکر اور ابن تیمیہ سے علم حاصل کیا۔ یہ کتاب دس جلدوں میں ہے۔ اس کتاب میں آیات کی تشریح میں احادیث اور آثار کو بالالتزام بیان کیا ہے اور ان پر حسب ضرورت تنقید کی ہے مصنف کی وفات ۷۷۴ھ میں ہوئی۔

۱۱۔ کشف الاسرار و عدۃ الابرار، مصنفہ مسعود بن عمر الامام الکبیر المعروف سعد الدین خراسان کے ایک قصبہ تفتازان میں پیدا ہوئے اسی نسبت سے تفتازانی مشہور ہوئے۔ آپ کی وفات

۹۰۲ھ میں ہوئی
اس تفسیر کا مکمل نسخہ پیرس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ یہ تفسیر فارسی زبان میں ہے۔

۱۲۔ تفسیر المداوی۔ مصنفہ شیخ ابو بکر بن علی مصری۔ متوفی ۸۰۰ھ۔ اس تفسیر کا دوسرا نام کشف التنزیل بھی ہے۔

نویں صدی کی کتب تفاسیر

۱۔ عیون التفاسیر للفضلاء والسماسیر۔ مصنفہ شیخ شہاب الدین احمد بن محمود سب مروجہ اور متداول تفاسیر کا مطالعہ کر کے ان سب کا خلاصہ اس تفسیر میں بیان کیا ہے۔ ایک ناقص نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔
آپ کی وفات ۸۰۳ھ میں ہوئی۔

۲۔ بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز۔ مصنفہ مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی امام ابن تیمیہ اور امام سبکی کے شاگرد ہیں علم حدیث۔ تفسیر۔ لغت اور ادب کے امام تصور ہوتے ہیں۔ ۸۱۷ھ میں وفات پائی۔

۳۔ مستنبط۔ مصنفہ محمد ابن سید یوسف حسینی عرف شاہ راجو قتال۔ عوام میں بندہ نواز اور گیسو دراز کے نام سے مشہور ہیں۔ ۸۲۵ھ میں وفات پائی۔

۴۔ تفسیر رحمانی۔ مصنفہ شیخ علی بن احمد بن علی۔ بمبئی کے قریب مہائم میں پیدا ہوئے ۸۳۵ھ میں وفات پائی۔
اس تفسیر کا پورا نام تبصیر الرحمان و تیسیر المنان ہے۔

۵۔ تفسیر النبوی۔ مصنفہ السید محمد بن ابراہیم بن علی امام کبیر جو ابن الوزیر کے نام سے مشہور ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تفسیری روایات ثابت ہیں ان سب کو جمع کر کے ایک علیحدہ تفسیر لکھی۔ آپ کا انتقال ۸۴۰ھ میں ہوا۔

۶۔ فتح المنان فی تفسیر القرآن۔ مصنفہ محمد بن یحیٰی بن احمد۔ ابن زہرہ کے نام سے مشہور تھے ۸۴۸ھ میں وفات پائی۔

۷۔ تفسیر الاحکام لبیان ما فی القرآن۔ مصنفہ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ

۸۔ بحر العلوم۔ مصنفہ سید علاؤ الدین علی بن یحیٰی سمرقندی۔ متوفی ۸۶۰ھ۔

۹۔ تفسیر جلالین۔ یہ کتاب شیخ جلال الدین محمد بن احمد محلی متوفی ۸۶۴ھ کی تصنیف ہے مصنف نے

سورہ اسراء تک تفسیر کی تو ان کا انتقال ہو گیا بعد ازاں امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس تفسیر کو مکمل کیا۔

یہ تفسیر بہت متداول اور مقبول ہے۔ درس میں پڑھائی جاتی ہے۔ آسان طرز سے آیات کا مطلب اور مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ اس تفسیر کے بہت سے حواشی اور شرحیں لکھی گئی ہیں۔

۱۰۔ تفسیر بقاعی۔ مصنفہ شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر بقاعی۔ متوفی ذی الحجہ ۸۸۵ھ۔ شعبان ۸۶۱ھ میں تفسیر لکھنا شروع کی۔ شعبان ۸۷۵ھ میں اس کا نام نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور رکھا۔ یہ تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔ اس کے قلمی نسخے کتب خانہ قسطنطنیہ و کتب خانہ خدیویہ مصر اور کتب خانہ برلن میں موجود ہیں۔

اس تفسیر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ آیات اور سورتوں کا باہمی ربط اور تعلق بیان کیا گیا ہے۔

دسویں صدی کی کتب تفاسیر

۱۔ الدر المنثور۔ مصنفہ جلال الدین سیوطی۔ متوفی ۹۱۱ھ۔

۲۔ جامع التبیان فی تفسیر القرآن۔ محمد کے والد عبدالرحمٰن نے قرآن کریم کی تفسیر شروع کی جب سورۃ انعام تک پہنچے تو موت نے آلیا۔ اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ باقی تفسیر کو مکمل کرے۔ چنانچہ باقی تفسیر محمد نے مکمل کی۔ یہ ایک جلد میں ہے۔

۳۔ فتح الرحمان۔ مصنفہ شیخ الاسلام زین الدین زکریا بن محمد بن احمد انصاری مصری۔ اس کتاب میں متشابہات قرآنی پر وارد شدہ اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ کیمبرج لائبریری میں ہے۔ قاضی صاحب کا انتقال ۹۲۶ھ میں ہوا۔

۴۔ تفسیر ابن کمال پاشا۔ مصنفہ شمس الدین احمد بن سلیمان۔ متوفی ۹۴۰ھ۔

۵۔ السراج المنیر۔ مصنفہ امام شمس الدین محمد بن محمد۔ قاہرہ کے مشہور علماء میں سے تھے۔ یہ تفسیر چار جلدوں میں مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ آپ کا انتقال ۹۷۷ھ میں ہوا۔

۶۔ تفسیر المحمدی۔ مصنفہ محمد بن احمد میانجی۔ متوفی ۹۸۲ھ۔ ربط آیات کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے۔

۷۔ ارشاد العقل الی مزایا القرآن الکریم۔ مصنفہ ابوالسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ۔ متوفی ۹۸۲ھ یہ تفسیر کشاف اور بیضاوی کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔

۸۔ تسہیل السبیل فی فہم معانی التنزیل۔ مصنفہ محمد بن الشیخ ابی الحسن محمد بن محمد۔ متوفی ۹۹۳ھ

۹۔ تفسیر منشی۔ مصنفہ مولانا محمد بن بدر الدین صاروخانی۔ متوفی ۱۰۰۰ھ۔

گیارہویں صدی کی کتب تفاسیر

۱۔ منبع عیون المعانی۔ مصنف شیخ مبارک علی بن خضر ناگوری۔ متوفی ۱۰۰۱ھ۔
۲۔ سواطع الالہام۔ مصنف ابوالفضل فیضی۔ متوفی ۱۰۰۴ھ۔ یہ بے نقط عبارت میں لکھی گئی ہے۔
۳۔ تفسیر علی قاری۔ مصنف شیخ نورالدین علی بن سلطان۔ متوفی ۱۰۱۰ھ۔
۴۔ تفسیر نظامی۔ مصنف شیخ نظام الدین تھانیسری بلخی۔ متوفی ۱۰۲۴ھ۔
۵۔ جامع الاسرار۔ مصنف شیخ عبدالحسن بن سلیمان۔ یہ تفسیر سلطان مراد رابع کو ہدیہ بھیجی گئی۔
۶۔ تفسیر وہابی۔ مصنف مولوی عبدالصمد۔ متوفی ۱۰۸۷ھ۔

بارہویں صدی کی کتب تفاسیر

۱۔ تفسیر احمدی۔ مصنف ملا جیون[۱] امیٹھوی۔ متوفی ۱۱۳۰ھ
۲۔ ثواقب التنزیل۔ مصنف مولوی اصغر علی قنوجی۔ متوفی ۱۱۴۰ھ۔
۳۔ تفسیر صغیر۔ مصنف مولوی رستم علی قنوجی۔ متوفی ۱۱۷۸ھ
۴۔ الفتوحات الالٰہیہ۔ مصنف شیخ سلیمان جمل۔ متوفی ۱۱۹۶ھ۔ یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔

تیرہویں صدی کی کتب تفاسیر

۱۔ تفسیر ذوالفقار خانی۔ مصنف مولوی عبدالباسط بن مولوی رستم علی قنوجی۔ متوفی ۱۲۲۳ھ
۲۔ تفسیر مظہری۔ مصنف قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ متوفی ۱۲۲۵ھ۔ یہ تفسیر چھ جلدوں میں ہے نہایت معتبر تفسیر ہے۔
۳۔ موضح القرآن اردو ترجمہ۔ مصنف شاہ عبدالقادر دہلوی۔ متوفی ۱۲۳۰ھ۔
۴۔ نظم الجواہر۔ مصنف مولوی ولی اللہ بن سید احمد علی فرخ آبادی۔ متوفی ۱۲۴۹ھ۔
۵۔ فتح القدیر۔ مصنف قاضی شوکانی یمنی۔ متوفی ۱۲۵۵ھ
۶۔ جامع التفاسیر۔ مصنف نواب قطب الدین خان دہلوی۔ اردو میں ہے۔

---

[۱] عام طور پر ان کا نام ملا جیون مشہور ہے مگر صحیح جیون ہے۔

چودہویں صدی کی کتب تفاسیر

۱۔ روح المعانی، مصنفہ علامہ محمود آلوسی بغدادی، متوفی ۱۲۷۰ھ۔ یہ تفسیر چھ جلدوں اور تیس حصص پر مشتمل ہے۔ مصنف نے پہلی متداول کتب تفاسیر کو مدنظر رکھ کر تفسیر لکھی ہے۔ بعض مقامات پر امام رازی پر تنقید کی ہے اس صدی کی بہترین تصنیف ہے۔

۲۔ فتح البیان، مصنفہ نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی، متوفی ۱۳۰۷ھ۔ یہ تفسیر ۸ جلدوں میں ہے اس کا ماخذ شوکانی کی تفسیر ہے۔

۳۔ غایۃ البیان فی تاویل القرآن، مصنفہ حکیم محمد حسن امروہی۔

۴۔ تفسیر المنار، مصنفہ الشیخ محمد رشید رضا المصری (م ۱۳۵۴ھ) کی تالیف ہے۔ مصنف نے اپنے استاد مفتی عبدہ کے دروس کی بنیاد پر یہ تفسیر لکھی ہے۔ یہ تفسیر مکمل نہیں ہے۔

۵۔ الجواہر فی تفسیر القرآن، مصنفہ علامہ طنطاوی مصری (م ۱۳۵۸ھ) کی تالیف ہے۔ مصر میں ۱۳۵۲ھ میں ۲۵ جلدوں میں شائع ہوئی۔ ہر مضمون کو بسط و کشاد سے بیان کیا ہے علوم سائنس سے بھری پڑی ہے۔

۶۔ تفسیر درالاسرار، مصنفہ سید محمد آفندی مفتی دمشق۔ یہ تفسیر شائع ہو چکی ہے۔

۷۔ تفسیر ظلال القرآن، مصنفہ سید قطب شہید (۱۳۸۶ھ) یہ تفسیر دس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں تمدنی، سیاسی، اقتصادی مسائل پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

۸۔ التفسیر الحدیث، دور حاضر کے ایک مشہور عالم محمد عزة دروزہ کی تصنیف ہے اس میں سورتوں کی ترتیب نزولی اختیار کی گئی ہے۔ ہر سورۃ کے ابتداء میں سورۃ کے مرکزی مضمون کے ساتھ ان مضامین کا اجمالی خاکہ بیان کیا گیا ہے، جن پر وہ سورۃ مشتمل ہوتی ہے۔ نیز ربط آیات اور نزول سور کی مناسبت پر بحث کی گئی ہے۔

۹۔ اضواء البیان فی ایضاح القرآن، دور حاضر کے مشہور عالم محمد الامین ابن محمد المختار الجکنی کی تفسیر ہے سورۃ انبیاء تک چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ بقیہ طبع ہو رہی ہے مصنف نے اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے۔

۱۰۔ تفسیر نظام القرآن و تاویل الفرقان، مولانا حمید الدین فراہی (۱۳۴۹ھ) نے تفسیر لکھنا شروع کی لیکن تکمیل سے پہلے وفات پا گئے۔ یہ کتاب پندرہ مختلف اور متفرق سورتوں پر مشتمل ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں نظم قرآن، سورتوں اور آیات کے باہمی ربط کو خاص طور پر اجاگر کیا گیا ہے

عربی زبان میں اب تک جو تفاسیر لکھی گئی ہیں ان کی تعداد کئی ہزار ہے سب کا احاطہ کرنا بہت ہی مشکل کام ہے اس لئے [illegible] تفاسیر کا [illegible] اکتفا کیا گیا ہے۔

پاک و ہند میں تاریخ تفسیر و تراجم قرآن

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی ان کی مقدس کتاب قرآن حکیم کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا لیکن چونکہ آنے والے عرب تھے اس لیے انہیں قرآن حکیم کے سمجھنے میں دقت پیش نہیں آتی تھی۔ بعد میں محمود غزنوی کے دور میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ شروع ہوا تو رشد و ہدایت کے سرچشمہ قرآن حکیم کے مطالب زبانی بیان کئے جانے لگے تحریری کام کا آغاز مغلیہ دور میں ہوا۔ اس زمانے میں مختلف زبانوں میں قرآن حکیم کی تفاسیر لکھی جانے لگیں ان سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے ذیل میں ہم ہر زبان میں لکھی گئی تفاسیر میں سے چند ایک کا تذکرہ کریں گے۔ جس سے تفسیری کام کی وسعت کا اندازہ ہو جائے گا۔

عربی تفاسیر:-

عربی مسلمانوں کی دینی زبان ہے۔ علاقائی زبانوں کی ترویج و اشاعت کے باوصف عربی زبان سے مسلمانوں کی عقیدت بدستور قائم رہی چنانچہ آج سے پانچ سو سال قبل تفسیر نویسی کا آغاز ہوا تو ابتداء میں عربی زبان میں ہی تفاسیر لکھی گئیں۔ اس سعادت میں ہر دور کے علماء نے حصہ لیا ہر ایک نے اپنی استعداد کے مطابق اس کارِ خیر کو سرانجام دیا قرآن کے مختلف حصوں کی تفاسیر کا کام تو اتنا زیادہ ہے کہ اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا ذیل میں ہم مکمل تفاسیر کا ذکر کریں گے۔

۱۔ تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان از علاء الدین علی بن احمد مہائمی (م ۸۳۵ھ) اس تفسیر کو تفسیر رحمانی بھی کہتے ہیں۔ اس کا انداز تفسیر جلالین کا سا ہے۔ مفسر نے قرآنی قصص کو مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ سورتوں اور آیات کے سبب نزول اور باہمی ربط کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔ سورتوں کے نام کی وجہ تسمیہ بھی بیان کی ہے اور خاص بات یہ ہے کہ بسم اللہ کا ترجمہ اور تشریح ہر سورت کے مضمون کے مطابق کی ہے

۲۔ شئون المتنزلات از علی متقی برہانپوری (م ۹۷۵ھ) اس تفسیر میں بھی آیات کا سبب و محل نزول بیان کیا گیا ہے خاص طور پر آیات کی نحوی اور لسانیاتی توضیح بیان کی گئی ہے۔

۳۔ تفسیر محمدی از شیخ محمد بن احمد میاں جی بن ناصر گجراتی (م ۹۸۲ھ) اس تفسیر میں سورتوں

کے باہمی ربط کو واضح کیا گیا ہے۔

۴۔ منبع نفائس العیون از شیخ مُبارک بن شیخ خضر ناگوری (م ۱۰۰۱ھ) اس تفسیر میں ادبی رنگ نمایاں ہے۔

۵۔ سواطع الالہام از ابوالفیض فیضی (م ۱۰۰۴ھ) یہ شیخ مبارک کا بیٹا اور اکبر کا ملک الشعرا تھا۔ اس نے اس تفسیر میں علمی و ادبی کمال کا یہ نمونہ دکھلایا ہے کہ صنعت مہملہ کا استعمال کیا ہے اور قرآن حکیم کی بے نقط تفسیر کی ہے اس انداز کو اختیار کرنے سے مطالب میں ابہام پیدا ہو گیا ہے۔

۶۔ حبُ شعَب از عبدالاحد بن امام علی۔ اس تفسیر کا کمال یہ ہے کہ اس میں صنعت منقوطہ کا استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی ہر لفظ نقطہ دار ہے۔ اس سے بھی توضیح میں ابہام آگیا ہے

۷۔ ترجمۃ الکتاب از محب اللہ الہ آبادی (م ۱۰۵۸) انہوں نے اپنی تفسیر میں تصوف کا پہلو اختیار کیا ہے۔ اور ابن العربی کے نظریات کی تشہیر میں اتنا کمال دکھایا ہے کہ ابن عربی ہند کا لقب پڑ گیا ہے۔ ان کے پیشِ نظر وحدت الوجود کا نظریہ رہا ہے۔

۸۔ التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ از احمد بن ابوسعید (م ۱۱۳۰ھ) ان کو ملا جیون کہا جاتا ہے یہ اورنگ زیب عالمگیر کے استاد تھے۔ انہوں نے اس تفسیر میں احکام کو پیشِ نظر رکھا ہے اور اوامر و نواہی بیان کئے ہیں۔

۹۔ مجمع التاویل فی اسرار التنزیل از احمد بن محمد قاسم۔ یہ بہادر شاہ کے متوسلین میں سے تھے

۱۰۔ ثواقب التنزیل فی اشارات التاویل از علی اصغر بن عبدالصمد قنوجی (م ۱۱۴۰ھ)۔

۱۱۔ فتح الخبیر بمالابدمن حفظہ فی علم التفسیر از شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) انہوں نے احادیث کے ذریعے قرآنِ حکیم کی تشریح کی ہے۔

۱۲۔ تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) انہوں نے تفسیر کا نام اپنے مرشد مظہر جانِ جاناں کے نام پر تفسیر مظہری رکھا۔ اس میں عارفانہ اور فقیہانہ مباحث ہیں حنفی مسلک کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ سات جلدوں میں ہے۔

۱۳۔ مقدمہ تفسیر عبدالعزیزی از شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ (م ۱۲۳۹ھ)

۱۴۔ غرائب القرآن و رغائب الفرقان از نظام الدین حسن بن محمد بن حسین شافعی قمی مشہور بالنظام الاعرج۔ اس تفسیر میں مختلف علوم کی تفصیلی بحث ہے یہ لحاظ ترتیب و مواد۔ بہترین تفسیر ہے۔ یہ کشاف اور تفسیر کبیر کے ہم پلہ شمار کی جاتی ہے

۱۵۔ فتح البیان فی مقاصد القرآن از نواب سید صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ)

انھوں نے ایک نامکمل تفسیر بھی لکھی ہے جس کا نام نیل المرام فی احکام القرآن ہے۔

۱۶۔ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن از ثناء اللہ امرتسری (م ۱۹۴۸ء) قرآن کی آیات کی تفسیر قرآن کی آیات سے کی گئی ہے اور ان کے حوالہ جات بھی دیئے گئے ہیں۔

۱۷۔ روائح القرآن فی فضائل اُمناء الرحمٰن از مفتی محمد عباس (م ۱۳۰۶ھ) اس میں فکر و تحقیق پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

۱۸۔ نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان از حمید الدین فراہی (م ۱۳۴۹ھ)

۱۹۔ مشکلات القرآن از سید انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۱ھ)

فارسی تفاسیر:۔

فارسی مغلیہ دور میں سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی تھی۔ تمام کاروبار سلطنت اسی زبان میں ہوتا تھا اس لیے اس زمانے میں فارسی تفاسیر پر بھی کام ہوا۔ مشہور تفاسیر مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ بحر مواج از ملک العلماء قاضی شہاب الدین احمد بن شمس الدین بن عمر زاولی غزنوی دولت آبادی (م ۸۴۹ھ) یہ فارسی کی ضخیم تفسیر ہے اس میں فقہ و عقائد کے مسائل تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ آیات کی نحوی ترکیب بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ فارسی تفاسیر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۔ حکیم فتح اللہ شیرازی نے فارسی زبان میں ایک تفسیر لکھی ہے۔

۳۔ اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں محمد امین صدیقی نے تفسیر امینی لکھی۔

۴۔ مرزا نور الدین عالی (نعمت خاں) م ۱۱۲۱ھ نے نعمت عظمیٰ کے نام سے فارسی زبان میں تفسیر لکھی یہ تفسیر بھی عالمگیر کے دور میں لکھی گئی۔

۵۔ شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے فارسی زبان میں فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن لکھی۔

۶۔ شاہ ولی اللہ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز نے فتح العزیز کے نام سے تفسیر لکھی جو تفسیر عزیزی کے نام سے مشہور ہوئی۔

۷۔ سید ابوالقاسم رضوی کشمیری لاہوری (م ۱۳۲۴ھ) نے لوامع التنزیل و سواطع التاویل کے نام سے فارسی زبان میں تفسیر لکھی جس میں اہل سنت والجماعت اور شیعہ عقائد کے بارے میں مباحث و مناظرات میں ہر پارے کی تفسیر ایک جلد میں لکھی ہے۔

اردو تفاسیر:-

مغلیہ دور کے آخر میں اردو زبان کی ترویج و اشاعت شروع ہو چکی تھی لازمی امر تھا کہ دینی علوم کا ذخیرہ بھی اس زبان میں منتقل ہوتا چنانچہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں اردو زبان میں تفسیر نویسی کا کام شروع ہوا جو اب تک چلا آرہا ہے۔ مشہور تفاسیر مندرجہ ذیل ہیں :-

۱- تفسیر ہندی از قاضی محمد معظم (۱۱۳۱ھ)
۲- بصائر القرآن از نکہت شاہجہانپوری (۱۱۴۴ھ)
۳- تفسیر وہابی از عبدالصمد دلیر جنگ (۱۱۸۷ھ) یہ تفسیر چار ضخیم جلدوں میں ہے۔
۴- کشف القلوب از ابوالوفا محمد عمر (۱۲۰۶ھ)
۵- حکیم محمد اشرف خاں بن محمد اکمل خاں (۱۲۲۲ھ) نے تشریحی ترجمہ کیا۔
۶- اسی زمانے میں شاہ ولی اللہ کے فرزند عبدالقادر نے موضح القرآن لکھی جس میں اردو ترجمہ اور حواشی لکھے۔
۷- شاہ ولی اللہ کے دوسرے فرزند شاہ رفیع الدین نے بھی ترجمہ اور حواشی لکھے۔
۸- سید علی مجتہد بن سید دلدار علی (۱۲۵۹ھ) نے توضیح مجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید کے نام سے ترجمہ اور سادہ تفسیر لکھی۔
۹- دکن میں فیض الکریم کے نام سے قاضی بدرالدولہ بن شرف الملک (۱۲۸۰ھ) نے تفسیر لکھی۔
۱۰- انہی دنوں عیسائیوں کے دل میں ترجمہ اور تفسیر لکھنے کا خیال آیا جو مخصوص مصلحتوں کے تحت تھا۔ چنانچہ امام الدین مسیحی امرتسری نے ترجمہ قرآن لکھا اور اس کے بعد عماد الدین مسیحی نے ترجمہ لکھا۔
۱۱- ان کے ردعمل کے طور پر سرسید احمد خاں نے قرآن حکیم کی تفسیر لکھی تاکہ دور جدید میں جو اعتراضات اسلام پر وارد ہوتے ہیں ان کا جواب دیا جا سکے۔
۱۲- سید محمد درویش بابا قادری (۱۲۴۰ھ) نے تفسیر تنزیل کے نام سے تفسیر لکھی۔
۱۳- سید علی نقوی (۱۲۵۳ھ) نے توضیح مجید ۸ جلدوں میں لکھی۔
۱۴- محمد مرتضیٰ الہ آبادی (م ۱۲۸۴ھ) نے مظہر العجائب کے نام سے تفسیر لکھی۔
۱۵- غایۃ البرہان فی تاویل القرآن کے نام سے سید محمد حسن (د ۱۳۰۰ھ) رئیس امروہہ نے تفسیر لکھی۔

۱۶۔ سرسید احمد خان کی تفسیر میں بعض عقائد عام مسلک سے ہٹ کر بیان ہوئے تھے۔ جس سے علماء میں شدید ردّ عمل ہوا چنانچہ عماد علی رئیس سونی پت نے سرسید کے ردّ میں عمدۃ البیان تفسیر لکھی۔

۱۷۔ رؤف احمد نقشبندی (۱۳۰۵ ھ) نے تفسیر رؤفی لکھی۔

۱۸۔ عبدالحق حقانی (۱۳۳۵ ھ) نے فتح المنان کے نام سے تفسیر لکھی جو بہت مقبول ہوئی اور تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں آیات کے ترجمے کے ساتھ ساتھ آیات کا شانِ نزول ترکیب نحوی اور تفصیل و حواشی دیئے گئے ہیں۔ اس کا انداز واعظانہ اور اسلوب مناظرانہ ہے اس میں تصوف کے مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔

۱۹۔ حمائل القرآن کے نام سے عبدالحکیم خاں (۱۹۴۰ء) نے تفسیر لکھی جو قرآن کی تفسیر قرآن کی آیات سے ہے۔

۲۰۔ اسی زمانے میں ڈپٹی نذیر احمد (۱۳۳۱ ھ) کا ترجمہ اور تفسیر خاصا مشہور ہوا۔

۲۱۔ سید محمد حسین (۱۲۹۴ ھ) نے تنویر البیان کے نام سے تفسیر لکھی جو شیعہ مسلک پر مبنی تھی۔

۲۲۔ شیخ الہند محمود الحسن (۱۳۴۰ ھ) کا ترجمہ و تفسیر اس دور میں بہت مشہور رہا۔

۲۳۔ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ ھ) نے تفسیر لکھی جو بہت مقبول ہوئی۔

۲۴۔ اشرف علی تھانوی (۱۳۶۳ ھ) کی تفسیر جو مواد اور بیان دونوں لحاظ سے اچھی تھی۔ اس زمانے میں بہت مقبول ہوئی۔

۲۵۔ ان کے علاوہ عبدالسلام (۱۳۵۷ ھ) کی منظوم تفسیر زاد الآخرت نے کافی شہرت حاصل کی۔

۲۶۔ اس کے علاوہ شاعر قزلباش (۱۳۵۹ ھ) نے بھی منظوم تفسیر لکھی۔

۲۷۔ دورِ جدید میں سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن نے کافی شہرت حاصل کی ہے اور لوگوں میں بہت مقبول ہے۔

انگریزی تفاسیر:۔

ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد انگریزی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا۔ شروع شروع میں مسلمان اس زبان سے متنفر رہے لیکن سرسید احمد خاں کی کوششوں سے مسلمانوں نے انگریزی زبان سیکھنا شروع کردی اور پھر دینی علوم میں بھی اس زبان کو

استعمال کیا گیا چنانچہ قرآن پاک کی تفاسیر اس زبان میں لکھی گئیں جن میں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں پٹیالوی (۱۹۰۵ء) نے تفسیر القرآن بالقرآن کی طرز پر ترجمہ و تفسیر لکھی۔
۲۔ مرزا ابوالفضل الہ آبادی نے نزولی ترتیب کو پیش نظر رکھ کر لفظی ترجمہ اور مختصر حواشی لکھے۔
۳۔ محمد علی احمدی (۱۹۱۶ء) نے حامل المتن کے نام سے ترجمہ اور تفسیر لکھی۔
۴۔ بادشاہ حسین سیت پوری (۱۹۳۱ء) نے تفسیر شروع کی جو ان کی زندگی میں مکمل نہ ہو سکی اس کے آخری بیدرہ پاروں کا ترجمہ و تشریح سید افتخار حسین جج نے مکمل کیا۔
۵۔ عبداللہ یوسف علی (۱۹۳۵ء) نے قرآن حکیم کا مکمل ترجمہ و تفسیر لکھا۔
۶۔ شیر علی احمدی نے دس پاروں کا ترجمہ و تفسیر مکمل کر لیا ہے اور بقایا حصہ زیر بحث ہے۔
۷۔ خادم رحمانی نوری کا ترجمہ مع حواشی بالاقساط شائع ہو رہا ہے۔
۸۔ حیدر آباد دکن سے محمد مارماڈیوک پکتھال کا ترجمہ مع حواشی شائع ہوا ہے۔
۹۔ عبد ماجد دریا آبادی کی تفسیر اپنے سادہ اسلوب توضیحی معانی اور عام فہم ہونے کی وجہ سے کافی مقبول ہے۔

ہندی تفاسیر:۔

ہندی زبان چونکہ مسلمانوں میں زیادہ مقبول نہیں رہی۔ اس وجہ سے اس میں تفسیری کام بہت مختصر ہوا ہے۔ حسن نظامی نے تفسیر ہندی کے نام سے ایک تفسیر لکھی ہے جس میں متن عالمگیر کے قلمی قرآن کا عکس ہے۔ اردو ترجمہ مولوی نذیر احمد کا ہے اور اس پر تفسیر ہندی میں ہے

پشتو تفاسیر:۔

پشتو شمال مغربی سرحدی صوبے کی زبان ہے۔ اس میں تفسیر نویسی کا کام انیسویں صدی کے آخر میں شروع ہوا۔

۱۔ مولانا مراد علی نے پشتو زبان کی پہلی مستند اور ضخیم تفسیر لکھی جو دو سال میں مکمل کی۔
۲۔ مخزن تفاسیر: یہ تفسیر مولانا محمد الیاس پشاوری کی ہے۔ ترجمے کے ساتھ حواشی دیئے گئے ہیں۔

۳۔ مولانا عبدالحق نے تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل جلی خط میں ایک تفسیر شائع کی اور خالص عوامی زبان استعمال کی جس کی وجہ سے یہ تفسیر کافی مقبول ہوئی۔

۴۔ محمد عبداللہ اور ان کے شاگرد عبدالعزیز عادل گڑھی نے تفسیر حسینی لکھی جو ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔

۵۔ مولانا فضل ودود نے تفسیر ودودی لکھی جو خود تو مکمل نہ کر سکے اور بعد میں گل رحیم نے اس تفسیر کو مکمل کیا۔

۶۔ علامہ حافظ محمد ادریس نے کشاف القرآن کے نام سے ایک تفسیر لکھی جو متعدد خصوصیات کی حامل تھی۔

سندھی تفاسیر:۔

۱۔ مولانا ابوالحسن ٹھٹھوی (۱۱۶۴ھ) نے سب سے پہلے سندھی زبان میں تفسیر لکھی۔

۲۔ شیخ محمد نقا مانی نے اپنے مرشد مولانا رشید الدین شاہ کے فرمان پر تفسیر مفتاح رشد اللہ لکھی جو مفصل اور مبسوط تفسیر ہے۔

۳۔ مولوی محمد عثمان نورنگ زادہ نے چار جلدوں میں تنویر الایمان لکھی۔

۴۔ پیر مردان علی شاہ پیر پگاڑو نے پانچ جلدوں میں تفسیر کوثر کو حیدرآباد سے شائع کیا۔

پنجابی تفاسیر:۔

۱۔ تفسیر محمدی موضح فرقان مع تفسیر فتح الرحمٰن۔ یہ حافظ محمد بن بارک اللہ کی تصنیف ہے نثر میں ترجمہ اور نظم میں تفسیر ہے۔ اس کو دس سال میں مکمل کیا۔

۲۔ تفسیر نبوی۔ یہ تفسیر نبی بخش حلوائی کی ہے یہ بھی منظوم تفسیر ہے۔

۳۔ تفسیر دلپذیری۔ یہ مولوی دل محمد بھیروی کی منظوم تفسیر ہے۔

۴۔ عبدالغفور اسلم کی تفسیر تیسیر ۱۹۶۸ء میں گجرات سے شائع ہوئی۔

ان تفاسیر کے علاوہ ہندوستان میں قرآن حکیم کے مختلف زبانوں میں تراجم ہوتے ہیں ان کی تعداد کے پیش نظر ان کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ چند مشہور تراجم حسب ذیل ہیں:۔

تراجم قرآن (اردو)

۱۔ ۱۲۰۳ھ میں شاہ رفیع الدین دہلوی نے ترجمہ کیا جو کلکتے سے شائع ہوا۔

۲۔ ۱۲۰۵ھ میں شاہ عبدالقادر دہلوی نے اپنا ترجمہ مکمل کیا۔

۳۔ ۱۳۱۳ھ میں مولوی نذیر احمد کا ترجمہ دہلی سے شائع ہوا۔

۴۔ ۱۳۲۶ھ میں مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمہ شائع ہوا۔

۵۔ ۱۳۳۰ھ میں مراد آباد سے مولانا احمد رضا خاں کا ترجمہ شائع ہوا۔

۶۔ ۱۳۴۳ھ میں خواجہ حسن نظامی کا ترجمہ دہلی سے شائع ہوا۔

۷۔ ۱۳۷۲ھ میں حکیم احمد شجاع اور مولانا ابوالحسنات کے تراجم تفسیروں کیساتھ لاہور سے شائع ہوئے۔

فارسی تراجم قرآن

۱۔ حسن بن محمد علقی المعروف نظام نیشاپوری نے آٹھویں صدی میں قرآن حکیم کا ترجمہ کیا۔

۲۔ نوح بالائی سندھی (م ۹۹۸ھ) نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔

۳۔ محمد امین نے ۱۱۳۵ھ میں قرآن حکیم کا ترجمہ مکمل کیا۔

پشتو تراجم قرآن

۱۔ مولانا عبدالحق درھنگوری نے پشتو زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ شائع کیا۔

سندھی تراجم قرآن

۱۔ پہلا سندھی ترجمہ اخوند عزیز اللہ متعلوی نے کیا۔

۲۔ مولانا تاج محمود صاحب نے قرآن حکیم کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ مولانا عبید اللہ سندھی کے مربی تھے۔

۳۔ مولانا محمد مدنی صاحب نے ایک ترجمہ کیا۔

ہندی تراجم قرآن

۱۔ سب سے پہلا ترجمہ ہندو راجہ مہروک نے ۲۰۸ھ میں کروایا تھا جو ایک عراقی نوجوان نے کیا۔

۲۔ پادری ڈاکٹر احمد شاہ مسیحی نے قرآن حکیم کا مکمل ہندی ترجمہ شائع کیا۔

۳۔ مکمل ہندی ترجمہ مولانا احمد بشیر صاحب فرنگی محل نے کیا۔

۴۔ ابو سلیم محمد عبدالحی صاحب نے مکمل ترجمہ مع متن ۱۹۴۴ء میں کیا۔

پنجابی تراجم قرآن

۱۔ منظوم ترجمہ محمد علی فائق نے ۶۵ ہزار اشعار پر مشتمل کیا جو اولین ترجمہ شمار کیا جاتا ہے۔

۲۔ مولوی فیروز الدین نے قرآن حکیم کا ترجمہ کیا۔

۳۔ محمد حفیظ الرحمٰن بہاولپوری (م ۱۹۵۹ء) نے ۱۹۵۶ء میں ترجمہ شائع کیا۔

سوال۔ فہم قرآن کے لئے کن کن علوم کا جاننا ضروری ہے۔ اس پر ایک واضح نوٹ قلم بند کیجئے۔

جواب :۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ تفسیر کے لئے پندرہ علوم ضروری ہیں اور کسی شخص کو تفسیر کرنے کا حق نہیں جب تک کہ وہ ان تمام علوم میں ماہر نہ ہو۔

۱۔ لغت عربیہ :۔ جس کی وجہ سے الفاظ مفردہ کی تشریح کی جا سکے اور کلمات کا مدلول بوضع معلوم ہونا ممکن ہو۔ مجاہدؒ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ چیز حلال نہیں کہ وہ کتاب اللہ کے بارے میں کچھ لب کشائی کرے تا وقتیکہ وہ لغت عربیہ کا عالم نہ ہو۔

۲ علم النحو :۔ اس لئے کہ اعراب پر ہی معانی کا انحصار ہے اور اعراب کی رعایت سے کلام کا صحیح مفہوم سمجھا جا سکتا ہے۔

۳۔ علم صرف : اس لئے کہ صرف ہی کے ذریعے بناء کلمات اور صیغوں کا علم ہو سکتا ہے اور جب تک انسان یہ نہ جانے کہ یہ صیغہ کون سا ہے اور اس کی تعریف اور تفصیل کس طرح ہے تو وہ کلام کی مراد کیسے سمجھ سکتا ہے۔

۴۔ علم الاشتقاق۔ کیونکہ جب تک کہ اصل مادہ لغت معلوم نہ ہو۔ کلمہ کے معنی سمجھنا ممکن نہیں بسا اوقات لفظ کی صورت یکساں ہوتی ہے لیکن اختلاف مادہ کی وجہ سے معنی میں عظیم تفاوت ہوتا ہے

۵۔ علم المعانی۔ ۶۔ علم البیان ۷۔ علم البدیع۔ اس لئے کہ بغیر ان علوم کے نہ تو ترکیب معانی اور کلام سے ان معانی کا ادراک ہو سکتا ہے۔ جن پر کلمات دلالت کر رہے ہیں اور نہ ہی خصوصیات کلام اور تعبیر کے محاسن اور قرآن کی محیر العقول بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۸۔ علم القرآن :۔ اس لئے کہ الفاظ کلام اللہ کی کیفیت نطق اسی کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہے۔

۹۔ علم اصول دین :۔ تا کہ احکام حلال و حرام، فرض۔ واجب۔ جائز اور ناجائز پر استدلال کر سکے۔

۱۰۔ اصول فقہ :۔ تاکہ احکام الشرعیہ اور فقیہہ تفصیلی طور پر نصوص کتاب اللہ اور سنت سے استنباط کرنا ممکن ہو۔

۱۱۔ علم اسباب النزول :۔ اس لئے کہ اسباب نزول کے علم کے بغیر آیات کا مفہوم سمجھنا نہایت ہی مشکل امر ہے۔

۱۲۔ علم ناسخ و منسوخ

۱۳۔ فقہ :۔ یعنی احکام شرعیہ سے متعلق تفصیلی جزئیات اور فروع کا علم۔

۱۴۔ علم الحدیث :۔ اس لئے کہ قرآن کی اصلی تشریح و تفسیر حدیث ہی ہے۔

۱۵۔ علم الموہبہ :۔ یعنی وہ صحیح ذوق اور باطنی نور جو کلام الٰہی کے رموز و اسرار کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ ان پندرہ علوم کے علاوہ مندرجہ ذیل علوم کا جاننا بھی مفسر کے لئے ضروری ہے۔

۱۶۔ علم کلام۔ ۱۷۔ علم التاریخ۔ ۱۸۔ علم جغرافیہ ۱۹۔ علم الزہد والرقاق۔

۲۰۔ علم الاسرار :۔ اس لیے کہ اسرار قرآنی کا سمجھنا انہی پر موقوف ہے۔

۲۱۔ علم الجدل والخلاف :۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ مخالفین کے ساتھ مناظرانہ رنگ میں حقائق اور معارف بیان ہوئے ہیں۔

۲۲۔ علم السیرۃ :۔ ۲۳۔ علم الحقائق : یعنی وہ علم جس میں حقائق موجودات کا بیان ہے۔

۲۴۔ علم الحساب :۔ کیونکہ قرآن مجید میں علم میراث ہے۔

۲۵ : علم منطق :۔ تاکہ اس کے مسائل و قواعد معلوم ہونے سے قرآن کے طریق استدلال اور دلائل کی قوت معلوم کر سکے۔

سوال :۔ نزول قرآن پر مفصل بحث کیجئے۔

قرآن مجید کے نام اور اس کا نزول

وہ چشمۂ ہدایت جو رسول کریم صلی اللہ وسلم پر نازل ہوا اس کا نام قرآن ہے قرآن کا نام خود اس وحی میں بتکرار آیا ہے۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۸۵ میں ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۔ (بقرہ ۲: ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا ہے لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے اور ہدایت کی کھلی دلیلیں اور حق اور باطل کو الگ کر دینے والے دلائل ہیں۔

اس کے علاوہ سورۃ یونس آیت ۳۷ بنی اسرائیل آیت ۱۰۹ میں لفظ قرآن آتا ہے

سوال۔ فہم قرآن کے لئے کن کن علوم کا جاننا ضروری ہے۔ اس پر ایک واضح نوٹ قلم بند کیجئے۔

جواب:۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ تفسیر کے لئے پندرہ علوم ضروری ہیں اور کسی شخص کو تفسیر کرنے کا حق نہیں جب تک کہ وہ ان تمام علوم میں ماہر نہ ہو۔

۱۔ لغت عربیہ:۔ جس کی وجہ سے الفاظ مفردہ کی تشریح کی جا سکے اور کلمات کا مدلول بوضع معلوم ہونا ممکن ہو۔ مجاہدؒ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ چیز حلال نہیں کہ وہ کتاب اللہ کے بارے میں کچھ لب کشائی کرے تاوقتیکہ وہ لغت عربیہ کا عالم نہ ہو۔

۲ علم النحو:۔ اس لئے کہ اعراب پر ہی معانی کا انحصار ہے اور اعراب کی رعایت سے کلام کا صحیح مفہوم سمجھا جا سکتا ہے۔

۳۔ علم صرف: اس لئے کہ صرف ہی کے ذریعے بناء کلمات اور صیغوں کا علم ہو سکتا ہے اور جب تک انسان یہ نہ جانے کہ یہ صیغہ کون سا ہے اور اس کی تعریف اور تفصیل کس طرح ہے تو وہ کلام کی مراد کیسے سمجھ سکتا ہے۔

۴۔ علم الاشتقاق۔ کیونکہ جب تک کہ اصل مادہ لغت معلوم نہ ہو۔ کلمہ کے معنی سمجھنا ممکن نہیں بسا اوقات لفظ کی صورت یکساں ہوتی ہے لیکن اختلاف مادہ کی وجہ سے معنی میں عظیم تفاوت ہوتا ہے

۵۔ علم المعانی۔ ۶۔ علم البیان ۷۔ علم البدیع۔ اس لئے کہ بغیر ان علوم کے نہ تو ترکیب معانی اور کلام سے ان معانی کا ادراک ہو سکتا ہے۔ جن پر کلمات دلالت کر رہے ہیں اور نہ ہی خصوصیات کلام اور تعبیر کے محاسن اور قرآن کی محیر العقول بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۸۔ علم القرأت:۔ اس لئے کہ الفاظ کلام اللہ کی کیفیت نطق اسی کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہے۔

۹۔ علم اصول دین:۔ تاکہ احکام حلال و حرام، فرض، واجب۔ جائز اور ناجائز پر استدلال کر سکے۔

۱۰۔ اصول فقہ :۔ تاکہ احکام المشرعیہ اور نقیہ تفصیلی طور پر نصوص کتاب اللہ اور سنت سے استنباط کرنا ممکن ہو۔

۱۱۔ علم اسباب النزول :۔ اس لئے کہ اسباب نزول کے علم کے بغیر آیات کا مفہوم سمجھنا نہایت ہی مشکل امر ہے۔

۱۲۔ علم ناسخ و منسوخ

۱۳۔ فقہ :۔ یعنی احکام شرعیہ سے متعلق تفصیل جزئیات اور فروع کا علم۔

۱۴۔ علم الحدیث :۔ اس لئے کہ قرآن کی اصل تشریح و تفسیر حدیث ہی ہے۔

۱۵ علم الموہبہ :۔ یعنی وہ صحیح ذوق اور باطنی نور جو کلام الٰہی کے رموز و اسرار کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ ان پندرہ علوم کے علاوہ مندرجہ ذیل علوم کا جاننا بھی مفسر کے لئے ضروری ہے۔

۱۶۔ علم کلام۔ ۱۷۔ علم التاریخ۔ ۱۸۔ علم جغرافیہ ۱۹۔ علم الزہد والرقاق۔

۲۰۔ علم الاسرار :۔ اس لیے کہ اسرار قرآنی کا سمجھنا انہی پر موقوف ہے۔

۲۱۔ علم الجدل والخلاف :۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ مخالفین کے ساتھ مناظرانہ رنگ میں حقائق اور معارف بیان ہوئے ہیں۔

۲۲۔ علم السیرۃ :۔ ۲۳۔ علم الحقائق : یعنی وہ علم جس میں حقائق موجودات کا بیان ہے۔

۲۴۔ علم الحساب :۔ کیونکہ قرآن مجید میں علم میراث ہے۔

۲۵ : علم منطق :۔ تاکہ اس کے مسائل و قواعد معلوم ہونے سے قرآن کے طریق استدلال اور دلائل کی قوت معلوم کر سکے۔

سوال :۔ نزول قرآن پر مفصل بحث کیجئے۔

قرآن مجید کے نام اور اس کا نزول

وہ چشمۂ ہدایت جو رسول کریم صلی اللہ وسلم پر نازل ہوا اس کا نام قرآن ہے قرآن کا نام خود اس وحی میں بتکرار آیا ہے۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۸۵ میں ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ۔ (بقرہ ۲ : ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا ہے لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے اور ہدایت کی کھلی دلیلیں اور حق اور باطل کو الگ کر دینے والے دلائل ہیں۔

اس کے علاوہ سورۃ یونس آیت ۳۷ بنی اسرائیل آیت ۱۰۹ میں لفظ قرآن آتا ہے

لفظ قرآن یا تو "قرء" سے مشتق ہے یا قرو اوقی سے یا قرن سے قرء کے معنی جمع کے ہوتے ہیں۔ اب قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سارے اولین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل ۱۶: ۸۹) یعنی ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح بیان کرنے والی ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ (البینۃ ۹۸: ۳) یعنی قرآن مجید میں تمام کتب کے علوم سموئے ہوئے ہیں۔

نیز تمام بکھری ہوئی دنیا کو ایک پلیٹ فارم پہ جمع کرنے والا ہے۔ اس میں اتحاد نسل انسانی کا عظیم الشان پیغام ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً (۲: ۲۱۳) سب لوگ ایک ہی قوم ہیں۔ دوسری جگہ آتا ہے وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً (۱۰: ۱۹) اور سب لوگ ایک ہی امت ہیں۔ اس تعلیم اور پیغام کی رُو سے بھی اس کو قرآن کہا گیا ہے۔

اگر قراۃ سے مشتق ہو تو اس کے معنی ہیں پڑھی ہوئی چیز۔ تو اب اس کتاب کو قرآن اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے تو پڑھ کر سناجاتے تھے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ کتاب دنیا میں بہت پڑھی جائے گی اس معنی کے لحاظ سے یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو قرآن کی صداقت اور حقانیت پہ دلالت کرتی ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن مجید ہے۔ مسلمان دن میں پانچ وقت تو نماز میں قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ تلاوت کرتے ہیں دنیا میں کسی مسلمان کا گھر ایسا نہیں جہاں صبح کے وقت قرآن کی تلاوت نہ ہوتی ہو۔ یہ ایسا امر واقعہ ہے جس کا اقرار مخالفین کو بھی ہے کہ قرآن سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے (انسائیکلو پیڈیا آف برٹینکا)

اگر قرن سے مشتق ہو تو قرآن کے معنی ہیں ملنا اور ساتھ رہنا۔ اس مفہوم کی رو سے اس کتاب کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ حق اور ہدایت اپنے ساتھ رکھتا ہے نیز اس کی سورتیں اور آیات بھی اس طرح آپس میں جوڑی ہوئی ہے۔ کہ ان میں کہیں بھی تعارض اور تخالف نہیں۔ نیز قرآن مجید کے مضامین خواہ وہ عقائد سے تعلق رکھتے ہوں یا عبادات سے یا اخلاق فاضلہ سے یا سیاسیات سے یا معاملات سے وہ سب آپس میں ایسے ملے ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا کیا ہی نہیں جاسکتا۔ وہ سب ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید کے کئی نام ہیں جو خود اس وحی مقدس میں پائے جاتے ہیں۔

اَلکِتَاب ۲:۲ یعنی ایسی تحریر جو کامل ہو۔ اَلفُرقَان حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی اَلذِّکر یاد دلانے والی یا شرف اور بزرگی کا ذریعہ اَلتَّنزِیل ۲۶:۱۹۲ اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی وحی اَحسَنَ الحدیث ۳۹:۲۳ بہترین کلام الموعِظَة ۱۰:۵۷ نصیحت اَلحِکمَة ۳:۱ ۷ فیصلہ الحِکمَة ۱۷:۳۹ دانائی۔ اَلشِّفَا ۱۰:۵۷ شفا دینے والی اَلهُدٰی ۲:۲ راہ دکھا کر منزل مقصود تک پہنچانے والی۔ اَلرَّحمَة ۱۷:۸۲ رحم۔ الخیر ۳:۱۰۴ بھلائی اَلرُّوح ۴۲:۵۲ زندگی اَلبَیَان ۳:۱۳۸ کھول کر بیان کرنے والی اَلنِّعمَة ۹۳:۱۱ نعمت اَلبُرهَان ۴:۱۷۵ کھلی دلیل اَلقَیِّم ۱۸:۲ قائم کرنے والی اَلمُهَیمِن ۵:۴۸ حفاظت کرنے والی۔ اَلنُّور ۷:۱۵۷ روشنی اَلحَق ۱۷:۸۱ سچ۔

ان ناموں کے علاوہ اور بہت سے توصیفی الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً الکریم ۵۶:۷۷ عزیز۔ مجید ۸۵:۲۱ بڑائی والی۔ حکیم حکمت والی مبارک ۲۱:۵۰ برکت دی گئی۔ جس کی بھلائی کبھی منقطع نہ ہو مبین ۱۲:۱ کھولنے والی عَلِیٌّ ۴۳:۴ بلند مرتبے والی فصل ۸۶:۱۳ فیصلہ کرنے والی عَظِیم ۱۵:۸۷ بڑی عظمت والی۔ مکرم عزت والی۔ مرفوع بلند۔ مطھرہ پاک ۸۰:۱۳،۱۴ متشابہ ۳۹:۲۳ ملتی جلتی باتوں والی۔

اس کتاب مقدس کے ناموں میں ہی تمام خصائص بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ہر نام اپنے اندر ایک مستقل مضمون رکھتا ہے۔

دعویٰ نبوت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ریاضت اور عبادت کرنے کے لئے غار حرا میں تشریف لے جاتے۔ مکہ سے منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جس کو حرا کہتے ہیں۔ اس میں ایک غار ہے اس میں کئی کئی دن تک رہتے۔ کھانا گھر سے لے جایا کرتے۔ جب توشہ ختم ہو جاتا تو پھر واپس گھر آتے اور توشہ ساتھ لے جاتے۔ جب آپ نے عمر کی چالیسویں بہار میں قدم رکھا رمضان کا مہینہ تھا۔ اسی غار میں یاد الہیٰ میں مصروف تھے۔ فرشتہ وحی لے کر آیا جیسا کہ قرآن میں آتا ہے۔

شَهرُ رَمَضَانَ الَّذِی اُنزِلَ فِیهِ القُرآن (۲:۱۸۵) اس فرشتہ نے آپ کو کہا " اِقرأ " یعنی پڑھ۔ آپ نے فرمایا " مَا اَنَا بِقَارِی " میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ یزدانی نے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا " اِقرأ " یعنی پڑھ۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا

اس فرشتے نے تین بار دبایا اور چھوڑا۔ تیسری مرتبہ کے بعد یہ آیات فرشتے نے پڑھیں۔۔۔ اور آپ سے پڑھنے کی فرمائش کی۔

اِقرَأ بِاسمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ خَلَقَ الاِنسَانَ مِن عَلَقٍ اِقرَأ وَرَبُّکَ الاَکرَمُ الَّذِی عَلَّمَ بِالقَلَمِ عَلَّمَ الاِنسَانَ مَا لَم یَعلَم

العلق ۹۶: ۱-۵) یعنی تو اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر عزت والا ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے بعد گھر تشریف لائے وحی کے جلال اور رعب کی وجہ سے آپ کے کندھے اور گردن کا گوشت پھڑک رہا تھا۔ بعض لوگوں نے غلطی کھائی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ کو یہ خوف اس وجہ سے تھا کہ آپ کو شک تھا کہ نعوذ باللہ یہ جنون یا شیطان ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے انسان کو عالم مادی سے عالم روحانی میں منتقل ہونا پڑتا ہے چونکہ یہ انتقال حالت بیداری میں ہوتا ہے۔ اس وجہ سے انسان پر ایک حالت موت کی سی طاری ہو جاتی ہے۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا تجربہ تھا۔ بعد میں یہ حالت تھی کہ جب وحی آتی تو سخت سردی کے موسم میں بھی آپ کی پیشانی مبارک پر پسینہ آجاتا تھا۔

حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھ پر کوئی کپڑا اوڑھا دو۔ جب ذرا سکون ہوا تو آپ نے تمام ماجرا حضرت خدیجہؓ سے بیان فرمایا اور کہا خشیت علی نفسی مجھے ڈر ہے۔ حضرت خدیجہ نے کہا۔ کلا واللہ لا یخزیك اللہ ابداً انك لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق

یعنی آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کے بوجھ کو اٹھاتے ہیں۔ ناداروں کی خبرگیری کرتے ہیں مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔

یہ کہہ کر حضرت خدیجہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ حضرت خدیجہ کے چچیرے بھائی تھے۔ جاہلیت میں عیسائیت کو قبول کر لیا ہوا تھا۔ چونکہ عبرانی زبان جانتے تھے۔ عبرانی زبان میں انجیل کا ترجمہ کیا کرتے تھے۔ آپ نے ورقہ کے سامنے سب ماجرا کہہ سنایا۔ ورقہ نے کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا کہ جب آپ کی قوم آپ کو گھر سے باہر نکالنا چاہتی تو میں آپ کی مدد کرتا۔ آپ نے پوچھا۔ کیا یہ بھی ہوگا ؟ ورقہ نے کہا: ہاں [۱]

اس وحی کے نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ بعد وحی رک گئی۔ وہ زمانہ فترت الوحی کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ اس زمانہ کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک تین سال کا عرصہ ہے [۲] حضرت ابن عباس کی روایت میں "ایاماً" کا لفظ آیا ہے۔ یعنی وحی چند دن رکی رہی۔ تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ ماہ سے زیادہ عرصہ نہیں ہے۔

ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جا رہے تھے۔ آپ نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ وہی فرشتہ دیکھا جو غار حرا میں دکھائی دیا تھا۔ تو آپ پر رعب طاری ہوا۔ اسی حالت میں آپ واپس گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (۷۴: ۱-۵) اے اوڑھنے والے اٹھ اور ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی کر اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھ اور ناپاکی سے دور رہ۔

وحی رک جانے میں کئی ایک مصلحتیں تھیں۔ وحی کی شدت ایسی تھی کہ دوبارہ فوراً وحی کے آنے سے جسمانی قوت اس شدت اور جلال کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

دوسری مصلحت یہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ و مخاطبہ میں ایک ایسا سرور اور لذت ہوتی ہے جس پر دنیا کی تمام چیزوں کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ اس لذت اور سرور کا اشتیاق بڑھنے کے لئے عارضی طور پر وحی روک دی گئی۔

تیسری مصلحت یہ تھی تاکہ مخاطبین وحی یہ سمجھ لیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے یہ باتیں نہیں گھڑتا۔ بلکہ ایک ایسی ہستی سے یہ تعلیم پا کر لوگوں کے سامنے بیان کرتا

---

[۱] ورقہ کے پاس کسی شک کی بنا پر نہیں بلکہ پیغام حق پہنچانے کے لئے گئے تھے بعض لوگوں نے اس واقعہ سے غلط نتیجہ نکالا ہے

[۲] عینی جلد اول صفحہ ۳۷ بحوالہ ابن اسحاق و تاریخ احمد بن حنبل۔

ہے جو قادر مطلق، حی اور قیوم ہستی ہے۔ جب اس کی طرف سے وحی آتی ہے تب لوگوں کو سناتا ہے۔

اس کے بعد سلسلہ وحی برابر جاری ہوگیا۔ یہ سلسلہ تقریباً کم و بیش تیئس سال تک جاری رہا۔ کبھی ایک آیت نازل ہو جاتی، کبھی آیات کا مجموعہ، کبھی دس آیات کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صرف چند الفاظ کا اضافہ ہو جاتا جیسے غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ کو اس آیت میں بڑھا دیا گیا ۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۔ (۴ : ۹۵) دونوں برابر نہیں مومنوں میں سے بیٹھ رہنے والے لوگ جن کو کوئی دکھ اور تکلیف نہیں اور وہ جو اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید کا نزول ضرورت اور حالات کے مطابق ہوتا تھا۔ کبھی کچھ لوگ خود مسائل چھیڑ دیتے تھے۔ پھر قرآن نازل ہوتا۔ کبھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھے جاتے تو آپ وحی کے ذریعے جوابات فرما دیتے۔ جیسے روح کی حقیقت دریافت کرنے کے لئے سوال کیا يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۸۵) روح کے بارہ میں سوال کرتے ہیں وحی کے ذریعے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (۱۷ : ۸۵) کہہ دیجیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔

کبھی معاشرہ میں ایسے مسائل ابھر آتے جن کا جواب دینا ضروری ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں مرثد غنوی کا واقعہ مشہور ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض کے لئے مکہ بھیجا کہ کمزور مسلمانوں کو وہاں سے نکال لائیں۔ جب مکہ پہنچے تو وہاں ایک خوبصورت عورت سے آمنا سامنا ہوا جس سے ان کا اسلام سے پہلے تعارف تھا۔ اس نے سابقہ محبت کا واسطہ دیا اور کہا کہ مجھ سے نکاح کر لو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اب اس میں عقیدہ کا اختلاف حائل ہے۔ یہ معاملہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۔ (۲ : ۲۲۱) اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور یقیناً ایک مومن لونڈی مشرکہ سے بہتر ہے گو وہ تمہیں اچھی لگتی ہے اور نہ مشرک

مردوں کے عقد میں عورتیں دو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں یقیناً مومن بندہ مشرک سے بہتر ہے گو وہ تمہیں اچھا لگے یہ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنی باتیں لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اس طرح قرآن مجید ضرورت کے مطابق آہستہ آہستہ اور نجماً نجماً نازل ہوتا رہا جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذالک لنثبت بہ فؤادک ورتلناہ ترتیلا۔

(الفرقان ۲۵ : ۳۲) اور کافر کہتے ہیں کہ قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اترا اسے اسی طرح آہستہ آہستہ اترنا چاہیئے تھا تاکہ تیرے دل کو ہم تسکین دیں اور ہم نے اسے ایک ترتیب سے اتارا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے قرآناً فرقناہ لتقرأہ علی الناس علی مکث ونزلناہ تنزیلا۔ (۱۷ : ۱۰۶) اور قرآن اسے ہم نے جدا جدا کر دیا ہے تاکہ تو اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں پر پڑھے اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔

ان دونوں آیات میں قرآن مجید کے نجماً نجماً نازل ہونے کی حکمتیں بیان فرما دی ہیں۔ پہلی حکمت لنثبت بہ فؤادک (۲۵ : ۳۲) یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام سے جو وقتاً فوقتاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مصائب اور شدید مخالفتوں کے زمانہ میں نازل ہوتی ہے وہ تسکین قلب کا موجب بنے اللہ تعالیٰ کے کلام سے بڑھ کر تسلی دینے والی اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔

دوسری حکمت لتقرأہ علی الناس (۱۷ : ۱۰۶) بیان کی ہے یعنی تو لوگوں کو پڑھ کر سنائے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو حفظ کرنے اور اس کی تعلیم سمجھنے اور عمل کرنے میں آسانی ہو۔ اگر قرآن مجید ایک ہی دفعہ نازل ہو جاتا تو صحابہ کو زبانی یاد کرنے میں دقت پیش آتی۔ آہستہ آہستہ نازل ہونے میں صحابہ آسانی سے یاد کرنے کے قابل ہو گئے۔

معاشرہ میں جو مسائل ابھرتے تھے ان کے لئے وحی نازل ہو جاتی تھی۔ اس طرح ان مسائل کو سمجھنے اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کے لئے آسانی ہو گئی۔

سوال۔ تدوین قرآن پر ایک مفصل مضمون تحریر کیجئے

ایک اہم اعتراض اور اس کا جواب

قرآن مجید کی تدوین پر لکھنے سے پہلے ایک اعتراض کا جواب دینا ضروری ہے غیر مسلم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (الحجر ۱۵ : ۹) میں

"الذکر" سے مراد مطلق قرآن مجید ہی نہیں بلکہ تمام کتب سماوی ہیں۔ اس میں شک نہیں "ذکر" کا لفظ دوسری کتب سماوی پر بھی بولا گیا ہے۔ لیکن جہاں آیت زیر بحث میں یہ لفظ آیا ہے وہاں صرف اور صرف قرآن مجید ہی ہے۔ اگر اس آیت کے سیاق و سباق پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی۔ یہ آیت سورہ حجر کی ہے۔ سورۃ حجر کا آغاز یوں ہوتا ہے۔ الٓرٰ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ۔ میں اللہ دیکھنے والا ہوں۔ یہ کتاب کی آیات ہیں اور قرآن جو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ پھر چھٹی آیت سے آیت زیر بحث تک یوں کلام الٰہی شروع ہوتا ہے۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ۔ لَّوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ۔ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُّنظَرِينَ۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔

(۱۵: ۶ - ۹) اور کہتے ہیں اے شخص جس پر نصیحت اتاری گئی ہے۔ یقیناً تو پاگل ہے تو فرشتوں کو ہمارے پاس کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچوں میں سے ہے ہم فرشتوں کو سوائے حق کے نہیں اتارتے کہ حکمت چاہتی ہو اور اس وقت انہیں ڈھیل بھی نہ دی جائیگی بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

اس سورت کا آغاز الٓرٰ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ۔ سے کیا ہے جہاں الکتاب و قرآن مبین سے مراد ہی وہ وحی مقدس ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ چھٹی آیت میں کفار کا خطاب رسول کریم سے ہے۔ جب خطاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گا تو اس میں "الذکر" سے مراد قرآن مجید ہی ہوگا۔ پھر نویں آیت میں الٓرٰ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ۔ میں "الذکر" سے مراد صرف قرآن مجید ہی ہے نہ کہ جملہ کتب سماوی۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

پھر قرآن مجید کی حفاظت کے لئے اور بھی آیات ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ۔ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ۔ (حم السجدہ: ۴۱: ۴۲) جن لوگوں کے پاس نصیحت آئی انہوں نے اس کو نہ مانا اور یہ تو بڑی عزت والی کتاب ہے کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے کی طرف سے اس کے پاس پھٹک سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے کیونکہ حکمت والے سزاوار حمد کی طرف سے اتاری گئی ہے۔

قرآن مجید کی اپنی شہادت کے علاوہ [illegible] سورہ حجر اور سورہ حم السجدہ

کی آیات میں لفظ "الذکر" سے مراد قرآن مجید ہی لیتے آئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں "الذکر" سے مراد قرآن مجید ہی ہے اور ابتدا سے ہی قرآن کی حفاظت پر محکم ایمان تھا۔ پھر کسی حدیث یا کسی تفسیر میں بھی قرآن مجید کی عدم حفاظت پر صراحتاً و کنایتاً ذکر نہیں۔ اگر صحابہ یا بعد کے اکابر مسلمان مصنفین کو ذرا بھی عدم حفاظت کا شک گزرتا تو وہ لازماً ذکر کرتے۔ کیونکہ ان کی زندگیاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ حق اور سچائی کی خاطر اپنی جان کی بازی لگانے کو تیار ہو جاتے تھے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنا عظیم اور اہم واقعہ ہوا ہو تو یہ بزرگ اپنی آنکھیں بند کر لیتے۔ اس کے برعکس دوسری کتب سماویہ کے متعلق کوئی بھی دعویٰ سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ تحریف و تبدل سے پاک ہیں حتیٰ کہ ان کتب کے ماننے والوں کا خود بھی یہ اعتراف ہے کہ ان کے مذہب کی کتب تحریف سے پاک نہیں جب دوسری کتب سماویہ تحریف سے پاک ہی نہیں تو پھر ان کو مذکورہ الصدر آیت کا مصداق ٹھہرانا سراسر جہالت اور نادانی ہے۔

جب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ آیت کریمہ "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْن" میں "الذکر" سے مراد قرآن مجید ہے اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ تدوین و حفاظتِ قرآن کیسے ہوئی۔

تدوین قرآن کے تین ادوار

تدوین قرآن تین ادوار پر مشتمل ہے پہلا دور عہد رسالت کا ہے دوسرا دور عہد صدیقی کا اور تیسرا دور عہد عثمان غنیؓ کا۔

پہلا دور:۔ قرآن مجید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں ہی احاطۂ تحریر میں آ گیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت نازل ہوتی۔ تو اسی وقت آپ کسی ایک کاتب کو بلا کر اس آیت کو اس کی جگہ پر لکھوا دیتے تھے اس طرح تمام کا تمام قرآن مجید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی لکھا گیا۔

لکھنے کا رواج اس زمانہ میں موجود تھا۔ جیسا کہ مشہور سبعہ معلقات لکھے گئے اور ان کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔ سر ولیم میور بھی اس بات کی شہادت دیتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ۔

"میں اس بات کو ماننے کے لئے بہت زبردست وجوہ موجود ہیں کہ (حضرت) رسول (کریم صلعم) کی زندگی میں متفرق طور پر قرآن شریف کے لکھے ہوئے نسخے صحابہ کے پاس موجود تھے اور ان نسخوں میں سارا قرآن یا قریباً سارا لکھا ہوا موجود تھا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت (محمد مصطفےٰ صلعم) کے دعوئے نبوت سے بہت پہلے مکہ میں فن تحریر عروج پر تھا اور مدینہ میں جا کر تو خود پیغمبر

(خدا معلوم) نے اپنے مراسلات لکھوانے کے لئے کئی صحابہ مقرر کئے ہوئے تھے۔ جو لوگ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تھے انہیں اس شرط پر وعدہ رہائی دیا گیا تھا کہ وہ بعض مدنی آدمیوں کو لکھنا سکھا دیں۔ اور اگرچہ اہل مدینہ اہل مکہ کے برابر تعلیم یافتہ نہ تھے لیکن وہاں بھی بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو اسلام سے پہلے لکھنا جانتے تھے۔[1]

قرآن مجید کی اپنی اندرونی شہادت بھی اس امر پر موجود ہے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی لکھا جا چکا تھا۔

الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (بقرہ ۲ : ۱ - ۲) المٓصٓ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ اس طرح بے شمار آیات میں قرآن مجید کو کتاب کہا گیا ہے۔ کتاب کے معنی لکھے ہوئے کے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں صحف بھی کہا گیا ہے۔ صحیفہ کے معنی لکھے ہوئے کاغذ کے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ ۹۸ : ۳) یعنی اللہ کا رسول مقدس اوراق پڑھ کر سناتا ہے جس میں مضبوط کتابیں ہیں۔

اسی طرح دوسری جگہ آتا ہے۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ (واقعہ ۵۶ : ۷۷ - ۷۹) یہ بڑی قدر و منزلت والا قرآن ہے اس محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اسے نہیں چھوتے مگر پاک لوگ۔ اس آیت میں دو باتیں واضح کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس میں کوئی بھی تحریف نہیں کر سکتا۔ دوم قرآنی وحی ابتدا سے ہی احاطہ تحریر میں لائی گئی۔ تبھی یہ کہا ہے کہ اس کو پاک ہاتھ ہی مس کرتے ہیں۔ اگر یہ تحریر میں نہ آچکی ہوتی تو چھونے کا مطلب ہی کیا۔ کیونکہ مس کے لئے خارج میں کسی شے کا ہونا ضروری ہے

اسلامی تاریخ میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ اپنی ہمشیرہ کے گھر غصے کے عالم میں پہنچے ہیں کہ ان کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے تلوار کے ذریعے لقمہ اجل بنائیں تو وہاں حضرت خبابؓ موجود تھے جن کے پاس ایک جلد موجود تھی جس میں سورۃ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔

قرآن مجید کے لکھے جانے کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن نے کہیں دس سورتوں کے بالمقابل دس سورتیں، کہیں تمام قرآن مجید کے مقابل پر ایک کتاب، کہیں ایک سورۃ کے مقابل پر ایک سورۃ بنانے کا تحدی سے چیلنج دیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ (ہود ۱۱ - ۱۳) یا ان کا یہ کہنا ہے کہ اس شخص

---

[1] لائف آف محمدؐ کا دیباچہ مصنفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۸

نے قرآن کو خود بنا لیا ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔

(اسرائیل ۱۷: ۸۸) یعنی اے رسول ان لوگوں سے کہو کہ اگر آدمی اور جن اس قرآن جیسی کتاب بنانے کے لئے جمع ہو جائیں تو وہ اس قسم کی کتاب نہ بنا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔

اسی طرح سورۃ بقرہ کی آیات ۲۳ - ۲۴ میں یہ چیلنج درج ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔

(البقرہ ۲: ۲۳) اور اگر تم اس کے بارہ میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے تو اس کی مانند ایک سورت بنا لاؤ اگر تم سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے حمایتیوں کو بھی بلا لاؤ اگر تم نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو دوزخ کی آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

یہ چیلنج مکی اور مدنی دونوں سورتوں میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس چیلنج کے وقت قرآن کی سورتیں لکھی ہوئی تھیں اگر لکھی ہوئی نہ ہوتیں تو چیلنج بے سود تھا۔ بلکہ کفار بھی کہہ اٹھتے پہلے سورتیں تو دکھاؤ جن کا مقابلہ چاہتے ہو۔

احادیث کی شہادت کہ قرآن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لکھا گیا

قرآن مجید کی اپنی شہادت کے علاوہ اسلام کی سب سے مستند تاریخ سے جو حدیث کے نام سے موسوم ہے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہی لکھا جا چکا تھا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل علیہ السور ذوات العدد فکان اذا انزل علیہ شیء دعا بعض من کان یکتب فیقول ضعوا ھذا فی السورۃ التی یذکر فیہا کذا و کذا (مختصر کنز ص۴۹)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں جب آپ پر کوئی چیز نازل ہوتی جو لکھنا جانتے تھے ان میں سے کسی کو آپ بلوا لیتے۔ کہتے کہ اس آیت کو اس سورۃ میں لکھو

جس میں فلاں فلاں آیتیں ہیں۔

كنت اكتب الوحی لرسول الله صلی الله علیه وسلم وكان اذا انزل علیه الوحی اخذته برحاء شدیدة وعرق عرقا مثل الجمان ثم سری عنه فكنت ادخل علیه بقطعة الكتف او كسرة فاكتب وهو یملی علی فما افرغ حتی تكاد رجلی تنكسر من ثقل القرآن حتی اقول لا امشی علی رجلی ابدا فاذا فرغت قال اقرأه فاقرأه فان كان فیه سقط اقامه ثم اخرج به الی الناس [1]

یعنی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی کی کتابت کرتا تھا جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی تو آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ پھر آپ سے یہ کیفیت ختم ہوجاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا کسی اور چیز کا ٹکڑا لے کر حاضر خدمت ہوتا۔ آپ لکھواتے رہتے اور میں لکھتا جاتا۔ یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کریم کی نقل کرنے کی وجہ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے لگی ہے اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا۔ بس جب میں فارغ ہوتا تو آپ فرماتے پڑھو۔ میں پڑھ کر سناتا اگر اس میں کوئی فروگزاشت ہوتی تو آپ اس کی اصلاح فرما دیتے پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے۔

ایک اور حدیث براء کی روایت سے ہے: قال لما نزلت لا یستوی القاعدون من المومنین والمجاهدون فی سبیل الله قال النبی صلی الله علیه وسلم ادع لی زیدا ولیجئ باللوح والدواة والكتف او الكتف والدواة ثم قال اكتب لا یستوی القاعدون "

. . . . . . یعنی جب آیت لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُونَ الخ نازل ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زید کو میرے پاس بلا لاؤ اور کہو کہ دوات اور تختی ساتھ لائے پھر جب وہ آئے تو آپ نے اسے حکم دیا کہ لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُونَ الخ کی آیت لکھو (بخاری باب کاتب النبی صلعم)

ایسا ہی صحیح بخاری کے اسی باب میں ایک اور حدیث ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زیدؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: انك كنت تكتب الوحی لرسول الله صلی الله علیه وسلم۔ یعنی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتا تھا

---

[1] رواه الطبرانی فی الاوسط مجمع الزوائد نور الدین الهیثمی ص ۱۵۲ ج ۱ باب عرض الكتاب جلد ثامنہ

حضرت زید کے علاوہ اور بھی کاتبین وحی تھے، جن کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے ؎۱
حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو
مرتد ہو گیا تھا اور فتح مکہ کے بعد دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ حضرت زبیر بن عوام۔
حضرت خالد و ابان ابنائے سعید۔ حضرت ابی بن کعب۔ حضرت حنظلہ بن الربیع۔ حضرت
معیقب بن ابو فاطمہ۔ حضرت عبداللہ بن ارقم۔ حضرت شرجیل بن حسنہ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ
ان کے علاوہ اور بھی بے شمار اصحاب تھے جو وحی کو لکھا کرتے تھے۔ کاتبوں کی تعداد زیادہ مقرر کرنے
کی وجہ یہی تھی کہ اگر کسی وقت پر ایک دستیاب نہ ہو تو دوسرا اس مبارک کام کو سرانجام دے
دے عقد الفرید میں ابن عبدربہ نے حضرت حنظلہ بن ربیع کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے۔ ان حنظلة
بن ربیع کان خلیفة کل کاتب من کتابه علیه اذا غاب ؎۳ ۔ یعنی حنظلہ بن ربیع
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کاتبوں کے نائب تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت
حنظلہؓ کو یہ حکم تھا کہ خواہ کوئی رہے یا نہ رہے وہ ضرور حاضر رہیں تاکہ ضرورت پر بلایا جا سکے۔
ام المومنین ام سلمہؓ سے طبرانی کے حوالہ سے مجمع الزوائد میں روایت ہیثمی نے نقل کی
ہے: قالت کان جبرئیل علیه السلام یملی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم: رواہ الطبرانی
فی الاوسط مجمع الزوائد ج ۷ صفحہ ۱۵۷۔
یہ ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ پڑھنا اس کا مطلب
ہی یہ ہے کہ جبرئیل کے سامنے ہی نازل شدہ آیات لکھوا دی جاتی تھیں۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف لکھوا دینے پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ پڑھوا کر سنتے
تھے۔ حضرت زیدؓ کا بیان ہے: فان کان فیه سقط اقامه (مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۶۰)
اگر کوئی چیز لکھنے سے چھوٹ جاتی تو اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم درست کرواتے جب
یہ سب کام پورا ہو جاتا تب اشاعت عام کا حکم دیا کرتے تھے۔ حضرت زیدؓ کے الفاظ یہ
ہیں: ثم اخرج به الی الناس یعنی کتابت وتصحیح وغیرہ کا سارا کام ختم ہو جانے کے
بعد آیات کی اشاعت لوگوں میں ہوتی تھی۔
اسی طرح ایک روایت مستدرک حاکم میں پائی جاتی ہے۔ بعض صحابہ فرماتے تھے۔

؎۱ علوم القرآن صبحی صالح ترجمہ اردو غلام احمد حریری ص ۱۰۱
؎۲ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۹ باب کاتب وحی رسول اللہ
؎۳ عقد الفرید ج ۴ صفحہ ۱۳۴

كنا عند النبى صلى الله عليه وسلم نؤلف القرآن فى الرقاع
ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر رقاع (چرمی قطعات) پر قرآن لکھ لیا کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام کو مخاطب ہوکر فرمایا لا تكتبوا عنى شيئًا غير القرآن۔ یعنی مجھ سے سوائے قرآن کے اور کوئی شئے مت لکھو۔

اس طرح بخاری کی ایک اور حدیث ہے۔ نهينا عن نسافر بالقرآن الى ارض العدو۔ یعنی ہم کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا کہ قرآن کو لے کر دشمن کے علاقے کی طرف نہ جایا کریں تاکہ کوئی بے حرمتی نہ ہو جائے۔

اگر قرآن لکھا جانے کا رواج ہی نہ تھا تو ممانعت کیسی؟
ایک اور حدیث ہے۔ قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والقرآن فى العسب والقضم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دنیا سے اٹھائے گئے جب قرآن شریف کھجور کے پتوں اور کھالوں پر لکھا ہوا تھا

ایک اور حدیث ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن دیکھ کر پڑھنے کی تلقین فرمائی آپ فرماتے ہیں۔ اعطو اعينكم حظها من العبادة النظر فى المصحف والتفكر (جامع صغیر السیوطی) اپنی آنکھوں کو عبادت سے بہرہ مند کرو اور وہ مصحف کو دیکھ کر پڑھنا اور اس پر تفکر کرنا ہے۔

صحابہ کرام اپنے گھروں میں مصحف رکھتے اور اس کو دیکھ کر تلاوت کرتے۔ حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے: اذا رجع احدكم نليات المصحف فليفتحه وليقرأ فيه۔ (منتخب کنز العمال) جب تم میں سے کوئی گھر واپس لوٹے تو سب سے پہلے مصحف کھولے اور پڑھے۔

اور ایک حدیث ہے۔ بين ظهرنا المصاحف وقد تعلمنا ما فيها وعلمناها ابنائنا وذرارينا وخدمنا۔ (مسند احمد) مصحف ہمارے درمیان لکھے ہوئے موجود تھے جن سے ہم نے خود دین سیکھا اور اپنے بچوں اور خادموں کو سکھایا۔ یہ مصاحف اس کثرت سے صحابہ کرام کے گھروں میں ہوتے تھے اور وہ ان کو دیکھ کر تلاوت کرتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ لوگ قرآن کے حفظ کی برکات سے بے نیاز نہ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا: لا تغرنكم هذا المصاحف

والمعلقة ان الله لا يعذب قلباً وعى القرآن ۔ (منتخب کنز العمال) یہ مصاحف جو تمہارے گھروں میں موجود ہیں کہیں تمہیں حفظ کرنے سے بے نیاز نہ کر دیں۔ یاد رکھو اللہ اس دل کو عذاب نہیں دے گا جس نے قرآن کو یاد کیا ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں۔ جمعت القرآن فقرأت به كل ليلة فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اقراه فی شهر۔ (مسند احمد) میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی سارا قرآن جمع کر ڈالا تھا اور رات بھر میں ختم کر دیا کرتا تھا۔ آپ کو علم ہوا تو فرمایا ایک ماہ میں ختم کیا کرو۔

ان حوالہ جات سے روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے کہ قرآن کریم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں ہی لکھا جا چکا تھا۔ جہاں اتنی شہادتیں موجود ہیں کہ قرآن آپ کی زندگی میں ہی لکھا جا چکا تھا وہاں ایک شہادت بھی نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ قرآن آپ کی زندگی میں نہیں لکھا گیا اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن آپ کی زندگی میں ہی مرتب ہو چکا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن چیزوں سے کاغذ کا کام لیا جاتا تھا حسب ذیل ہیں۔

عسیب: کھجور کی شاخوں کا وہ حصہ جو تنے سے متصل ہوتا ہے۔ اس میں کافی کشادگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس حصہ کو شاخ سے الگ کر لیا جاتا تھا۔ پھر ان کو خشک کر کے ان پر لکھا جاتا تھا

لخفہ ہر معمولی پتھر کو نہیں کہتے بلکہ بالاتفاق اہل لغت نے لکھا ہے کہ سفید رنگ کی پتلی پتلی چوڑی چوڑی تختیاں پتھر سے بنائی جاتی تھیں۔

کتف اونٹ یا بکری کے مونڈھے کے پاس کی گول اور چوڑی ہڈی کو کہتے ہیں۔

ادیم باریک کھال سے دباغت کے عمل سے تیار ہوتا ہے اس سے خیمے وغیرہ بھی تیار ہوتے ہیں۔

قتب اونٹ کے کجاوہ میں چھوٹی چھوٹی تختیاں استعمال ہوتی تھیں ان کو کہتے ہیں۔

حفظِ قرآن

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی صحابہ کرام سارا قرآن حفظ کر چکے تھے۔ صحابہ کرام قرآنی آیات کو اپنی زندگی کی غذا سمجھتے تھے۔ جب کوئی آیت نازل ہوئی تو وہ فوراً یاد کر لیتے تھے اور وہ آیات کے نزول کا شدت سے انتظار کرتے رہتے تھے اور آپ کی صحبت بہ کثرت

سے رہتے تھے۔ وہ لوگ جو اپنے ضروری مشاغل کی وجہ سے آپ کی صحبت میں نہیں رہ سکتے تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ باری مقرر کی ہوئی تھی۔ ایک آپ کی صحبت میں شریک ہوتا اسلامی احکام سیکھتا اگر کوئی آیت نازل ہوئی ہوتی یاد کر لیتا اور اپنے پچھلے ساتھی کو بتا دیتا۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ مدینہ کے مضافات میں ایسے مقام پر رہتے تھے جہاں ایک انصاری ان کا ہمسایہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس انصاری کے ساتھ یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ دونوں باری باری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے اور جو کچھ سنتے یاد رکھتے ایک دوسرے کو مطلع کر دیتے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس دن کی وحی وغیرہ کی تمام خبریں اس دوسرے شخص کو سناتا اور جس دن وہ حاضرِ خدمت ہوتا تو اس دن کی وہ خبریں سناتا۔ (صحیح بخاری)

اس طرح بعض ایسے بھی صحابہ تھے جنہوں نے ہجرت کے وقت اپنا تمام اثاثہ بیت لٹا آنے کے بعد اپنا کاروبار چھوڑ دیا تھا اور وہ تمام وقت مسجد نبوی میں بسر کرتے۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو فوراً یاد کر لیتے۔ ان کا شغل ہی تلاوتِ قرآن تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو حفظ قرآن کا بہت شوق دلاتے تھے بخاری میں حدیث آئی ہے۔ عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم القرآن و علمہ۔ یعنی حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے بہتر وہی ہے جو قرآن کو سیکھتا ہے اور سکھاتا ہے بخاری اور مسلم دونوں میں یہ حدیث ہے۔ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماھر بالقرآن مع السفرۃ الکرام البررۃ والذی یقرا القرآن یتتعتع فیہ وھو علیہ شاق لہ اجران۔ یعنی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کے ماہران فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں جو بہت عزت والے اور بزرگ ہیں اور جو قرآن شریف کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور نہایت مشکل سے اس کے حروف ادا کرتا ہے تو اس کے لئے دوگنا اجر ہے۔

مسلم کی حدیث ہے۔ عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ ایک روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ہم اس وقت صفہ میں تھے۔ آپ نے پوچھا کہ تم میں سے کون اس بات کی خواہش کرتا ہے۔ ہر روز بطحان یا عقیق کو جائے اور بڑی کوہان والی دو اونٹنیاں بغیر کوئی گناہ اور قطع رحم کئے لائے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ہم سب اس بات کو پسند کرتے ہیں۔ پھر آ[illegible] یا تم میں سے جو صبح مسجد میں آ کر کتاب اللہ کی دو آیات پڑھاتا یا پڑھتا ہے

وہ اس کے لئے دو اونٹنیوں سے بڑھ کر ہیں اور تین آیات تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار آیات چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ جتنی آیات پڑھے پڑھائے وہ اتنے ہی اونٹوں سے بہتر ہوں گی۔

صحابہ کرام ایک دوسرے سے روحانی فوقیت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر قرآن کو حفظ کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو امامت کے عہدہ پر منتخب کرتے جس کو سب سے زیادہ قرآن مجید یاد ہوتا۔

صحابہ کرام تلاوت قرآن میں اتنا شوق رکھتے تھے کہ بعض صحابہ ایک رات میں تمام قرآن مجید ختم کر لیا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ قرآن مجید سمجھ کر آہستگی سے ختم کرنا چاہیئے۔ چنانچہ بخاری میں ایک باب اس مضمون پر ہے کہ کتنے دنوں میں قرآن ختم کرنا چاہیئے۔ اس باب میں ایک حدیث ہے کہ ایک صحابی کی نسبت آپ کو معلوم ہوا کہ وہ ہر رات قرآن شریف ختم کرتا ہے اس پر آپ نے اسے بلا کر ہدایت فرمائی کہ قرآن پڑھنے میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔ آہستگی سے تلاوت کرنی چاہیئے ایک رات میں نہیں بلکہ سات دنوں میں یا پانچ دنوں میں یا کم از کم تین دنوں میں ختم کرنا چاہیئے۔

فتح الباری میں شرح صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۸۳ پر یہ حدیث منقول ہے۔

عن ابن مسعود اقرأ القرآن فی سبع ولا تقرؤه فی اقل من ثلث

یعنی قرآن شریف کو سات دنوں میں پڑھا کرو اور تین دنوں سے کم مدت میں ہرگز ختم نہ کرو۔

ایسا ہی اسی کتاب میں ایک اور حدیث ہے: عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یختم القرآن فی اقل من ثلث۔ یعنی حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف تین دنوں سے کم عرصہ میں ختم نہیں کیا کرتے تھے۔

ایک حدیث مسند دارمی میں ہے: عن عبد اللہ بن عمرو قال یا رسول اللہ فی کم اختم القرآن قال اختمه فی شهر قلت انی اطیق قال اختمه فی خمسة و عشرین قلت انی اطیق قال اختمه فی عشرین قلت انی اطیق قال اختمه فی خمس عشرة قلت انی اطیق قال اختمه فی عشر قلت انی اطیق قال اختمه فی خمس قلت انی اطیق قال لا۔

یعنی عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میں کتنے عرصہ میں ختم کروں۔ آپ نے فرمایا ایک ماہ میں۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے جلدی ختم کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا پچیس دنوں میں ختم کیا کرو۔ میں نے کہا میں تو اس سے بھی جلدی

ختم کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا بیس دنوں میں ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ اس سے بھی جلد ختم کر سکتا ہوں۔ فرمایا پندرہ دنوں میں ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے بھی جلد ختم کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا دس دنوں میں ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے بھی جلدی ختم کر سکتا ہوں۔ فرمایا پانچ دنوں میں ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے بھی جلدی ختم کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے کم عرصہ میں قرآن ختم نہیں کرنا چاہیئے۔

اسی طرح ایک حدیث نسائی میں منقول ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر قال جمعت القرآن فی کل لیلۃ فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرأہ فی شھر۔ یعنی عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے سارا قرآن اپنے حافظ میں جمع کر لیا اور ہر رات ایک دفعہ قرآن ختم کرتا تھا جب اس امر کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ ایک ماہ میں ختم کیا کرو۔

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی صحابہؓ نے حفظ کر لیا تھا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ ستر قرا آنحضرت کی زندگی میں بئر معونہ کے قریب کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

عہد صدیقی میں یمامہ (نجد) کی یورش کو دبانے کے لئے فوجیں بھیجے گئے وہاں کثیر تعداد میں صحابہؓ شہید ہوئے۔ چنانچہ قرآن کے حفاظ کی تعداد سات سو تھی۔

صاحب فتح الباری نے لفظ قرأ کے معنی کئے ہیں: الذی اشتھروا بحفظ القرآن والتصدی لتعلیمہ۔ یعنی وہ لوگ جو قرآن کو حفظ کرنے اور دوسروں کو سکھانے میں مشہور تھے۔

حفاظ قرآن: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی صحابہ کی ایک ایسی بڑی تعداد تیار ہوئی تھی۔ جسے قرآن زبانی یاد تھا۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظ قرآن کی اس جماعت میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ حضرت سعدؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ حضرت حذیفہؓ بن یمانؓ حضرت سالم مولی ابی حذیفہؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن السائبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام ورقہؓ حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ۔ حضرت ابو حلیمہؓ معاذ۔ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت مجمع بن جاریہؓ۔ حضرت مسلمہ بن مخلدؓ، حضرت انس بن مالکؓ حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت تمیم داریؓ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ۔ حضرت ابو زیدؓ جیسے حضرات

شامل تھے ۔

یہ وہ صحابہؓ ہیں ، جن کا نام " حافظ قرآن " کی حیثیت سے تاریخ میں محفوظ رہ گیا ہے ۔
حقیقت یہ ہے کہ ایسے بے شمار صحابہ ہوں گے جن کو پورا قرآن یاد تھا ۔ لیکن انکا نام تاریخ میں
محفوظ نہیں رہا ۔ اس بات کا ثبوت ان تاریخی واقعات سے ملتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
بعض اوقات ایک ایک قبیلے کی طرف ستر ستر قاری قرآن کی تعلیم کے لئے بھیجے چنانچہ غزوہ بئر معونہ
کے موقع پر ستر قراء صحابہؓ شہید ہوئے تھے اتنی ہی تعداد جنگ یمامہ میں شہید ہوئی تھیؓ ایک روایت
کے مطابق جنگ یمامہ میں سات سو قراء شہید ہوئے تھےؓ غرض صدر اسلام میں ہی قرآن مجید کی
حفاظت دو طبعی طریقے اختیار کر لئے گئے تھے ایک کتابت دوم حفظ

دوسرا دور

قرآن مجید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدون ہو چکا تھا اور بے شمار حفاظ
کے سینوں میں محفوظ تھا ۔ بے شمار افراد کے پاس قرآن مجید کے مکتوب نسخے موجود تھے ۔ امام ابن
حزمؒ نے لکھا ہے کہ خلیفہ اول کے زمانہ میں کوئی ایسا شہر نہیں تھا ۔ جہاں لوگوں کے پاس کثرت
سے قرآن مجید کے مکتوبہ نسخے نہ ہوں اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے
مکتوب نسخے ایک لاکھ سے کم نہ تھےؓ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں آیات اور سورہ کو کتابی صورت
میں ایک مستند نسخہ مرتب کرنے کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب حفاظ لڑائیوں میں کثرت سے
شہید ہو رہے تھے قرآن مجید لکھا ہوا موجود تو تھا لیکن اس کے اجزاء منتشر تھے سب سے پہلے حضرت
عمرؓ نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا ۔ بخاری میں روایت ہے کہ زید بن ثابتؓ
نے کہا کہ مجھے ابوبکرؓ نے جنگ یمامہ کے بعد بلوا بھیجا ۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا
کہ عمرؓ بن الخطاب ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں ۔ پھر ابوبکرؓ نے فرمایا کہ عمرؓ میرے پاس آئے ہیں
اور کہتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے بہت سے قراء شہید ہوئے ہیں ۔ اور مجھے خطرہ سا محسوس
ہوتا ہے کہ اگر اسی طرح دوسری لڑائیوں میں قراء شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن ہاتھوں سے
جاتا رہے گا ۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیں ۔ تو میں نے عمرؓ کو جواب دیا کہ ہم آپ کام

---

۱ النشر فی القراآت العشر ص ۶ ج ۱ ، الاتقان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۷۳ ، ۷۴ ۔
تاریخ القرآن للکردی ص ۴۰

۲ الاتقان ج ۱ ص ۷۳ ۳ فتح الباری ج ۱ ص ۱۰ ، ۱۱

۴ کتاب الفصل فی الملل والنحل ۔

کو کس طرح سرانجام دیں۔ جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ تو عمرؓ نے کہا۔ خدا کی قسم یہ نہایت ضروری اور بہتر کام ہے اور عمرؓ مجھ سے اس معاملہ میں اصرار اور بحث کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو اس کام کے لئے کھول دیا اور میری بھی وہی رائے ہو گئی ہے جو عمرؓ کی ہے:

پھر زید بن ثابت کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

تم جوان اور زیرک ہو۔ ہم تم پر کسی طرح کی تہمت نہیں لگا سکتے۔ نیز تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کاتب وحی تھے۔ لہٰذا تم پورے قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے میں لگ جاؤ خدا کی قسم اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کی تکلیف دیتے تو مجھ پر اس قدر گراں نہ گزرتا جتنا قرآن کے جمع کرنے کی ذمہ داری کا بار گراں جس کا انہوں نے حکم دیا۔ میں نے کہا کہ آپ دونوں کس طرح وہ کام کرنا چاہتے ہیں جسے رسول کریمؐ نے نہیں کیا۔ تو ابو بکرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم یہی بہتر ہے۔ پس ابو بکرؓ مجھ سے اصرار اور بحث کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ اس کام کے لئے کھول دیا جس کے لئے ابو بکرؓ اور عمرؓ کے سینوں کو کھول دیا تھا چنانچہ میں قرآن کو کھجور کے درختوں کی چھالوں سے اور پتھر کی تختیوں سے اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا رہا۔ البتہ سورۃ توبہ کا آخری حصہ مجھے صرف ابو خزیمہؓ انصاری کے پاس سے ملا اور ان کے سوا کسی اور کے پاس سے وہ مجھے نہ ملا یعنی لقد جاءکم رسول من انفسکم ختم سورۃ برأت تک پس یہ صحیفے ابو بکر کے پاس ان کی وفات تک رہے پھر عمرؓ کے پاس ان کی وفات تک اور پھر حفصہؓ بنت عمر کے پاس رہے[1]

حضرت زید بن ثابت کی مساعی

حضرت زید بن ثابت نے حضرت ابو بکرؓ سے حکم پا کر تیزی اور مستعدی سے کام شروع کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کی ہدایت کے مطابق ہر آیت یا چند آیات کو قبول کرنے کے لئے دو گواہوں کی ضرورت تھی۔

حفظ اور کتابت

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابت سے کہا تھا کہ "مسجد کے دروازہ

---

[1] بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن شرح ابن حجر عسقلانی جلد ۹ ص

پر بیٹھ جایئے اور جو شخص کتاب اللہ کے کسی حصہ پر دو گواہ پیش کرے تو وہ حصہ لکھ لیا کرو۔ ؎
حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ دو گواہوں سے حفظ اور کتابت مراد ہے حضرت زیدؓ بن ثابتؓ جب تک دو گواہ گواہی نہ دیتے تب تک آپ کسی آیت کو قبول نہ کرتے تھے۔
سخاوی اپنی کتاب جمال القراء میں لکھتے ہیں: مقصد یہ ہے کہ دو گواہ اس بات کی شہادت دیں کہ یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تحریر کی گئی تھیں ؎
حضرت زیدؓ بن ثابت نے جمع و تدوین کا کام ایک سال کی مدت میں مکمل کیا۔
حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے۔ وہ اولین شخص تھے جس نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کیا ؎

مصحف کی وجہ تسمیہ

جب قرآن مجید منتشر اجزا سے اوراق میں جمع ہوگیا تو حضرت ابوبکرؓ نے صحابہؓ سے رائے طلب کی کہ اس مجموعہ کا نام کیا رکھا جائے۔ مختلف لوگوں نے مختلف نام تجویز کیے۔ آخر کار مختلف تجاویز کے بعد اس کا نام مصحف رکھا گیا چنانچہ علامہ سیوطی رقمطراز ہیں:

قال ابوبکر التمسوا له اسما فقال بعضهم السفر
قال ذالك اسم تسميه اليهود فكرهوا ذلك فقال
بعضهم المصحف فان الحبشة يسمون مثله المصحف
فاجمع رايهم على ان سموه المصحف ؎

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اس کا کوئی نام مقرر کیجئے۔ بعض نے "السفر" (صحائف) تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا یہ یہود کا تجویز کردہ نام ہے۔ بعض لوگوں نے "المصحف" نام تجویز کیا یہ نام حبشہ میں رائج تھا۔ اسی پر اتفاق ہوگیا۔
حضرت ابوبکرؓ کے جمع کردہ مصحف پر امت کا اجماع ہو چکا تھا تو اس کے ساتھ ہی اس کی صحت ثابت ہو چکی ہے۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے حضرت ابوبکرؓ نے قرآن مجید کو قرأت سبعہ کے مطابق مدون کیا۔ اس اعتبار سے بھی یہ مصحف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جمع شدہ قرآن کے مطابق ہے۔

؎ الاتقان جلد ۱ ص ۱۰۱

؎ الاتقان جلد ۱ ص ۱۰۰ ؎ البرہان جلد ۱ ص ۲۳۹ ؎ الاتقان جلد ۱ ص ۱۹

تیسرا دور

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہولت کے لئے عرب کے ہر قبیلہ کو اپنے اپنے لہجہ میں اور رسم الخط میں پڑھنے اور لکھنے کی اجازت دے رکھی تھی حضرت عثمانؓ کے عہد میں اختلاف قرات کی وجہ سے نو مسلم عجمیوں میں ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوا جس کا ذکر احادیث میں آتا ہے حضرت امام بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔

"حذیفہ ابن الیمانؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آرمینیہ کی فتح میں اہل شام کے ساتھ اور آذربیجان کی فتح میں اہل عراق کے ساتھ جہاد میں شرکت کی تھی۔ وہاں ان دونوں علاقوں کے مسلمانوں کا قرءت قرآن میں اختلاف دیکھ کر گھبرا گئے۔ پس جب وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا۔ اے امیرالمومنین اس امت کی خبر لیجیے۔ قبل اس کے کہ وہ کتاب اللہ میں اسی طرح اختلاف کرنے لگیں۔ جس طرح یہود اور انصاری نے اختلاف کیا تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس صحیفے ارسال کر دیں تاکہ ہم ان کی نقلیں مصاحف میں کر لیں پھر آپ کو اسی صحیفے واپس کر دیں گے۔ تو حضرت حفصہؓ نے ان صحیفوں کو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیج دیا اور حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمان بن الحارثؓ کو حکم دیا تو ان لوگوں نے اس کو مصاحف میں نقل کیا۔ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابت کے سوا بقیہ تینوں قریشی اصحاب سے کہا تھا کہ جب تم لوگ اور زید بن ثابت قرآن کے کسی معاملہ میں اختلاف کرو تو اس کو لغت قریش پر لکھنا۔ کیونکہ وہ انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ جب اصل مسودات مصاحف میں نقل کر لئے گئے تو حضرت عثمان نے اصلی صحیفوں کو حضرت حفصہؓ کے پاس بھیج دیا۔ اور جو مصاحف نقل کرائے تھے ان سب کا ایک ایک نسخہ مملکت کے ہر علاقے میں بھیج دیا۔ اور حکم دیا کہ اس کے سوا جس صحیفہ یا مصحف میں قرآن لکھا ہوا ہے۔ اسے جلا دیا جائے۔"[1]

حضرت عثمان نے یہ فیصلہ خود نہیں کیا۔ بلکہ آپ نے کبار صحابہ کا ایک شوری کا اجلاس بلایا

---

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن۔

اور اس سے فتنے کے سدباب کے لئے رائے طلب کی، پورے غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ مصاحف کے چند نسخے لکھوا کر مملکت کے دوسرے شہروں میں بھیجے جائیں اور سرکاری طور پر یہ حکم جاری کر دیا جائے کہ ان مصاحف کے علاوہ دوسرے ناقص صحیفوں پر اعتماد نہ کیا جائے اور قرأت انہی مصاحف کے مطابق کی جائے۔

چنانچہ اس فیصلہ کے تحت ۲۴ھ کے اواخر اور ۲۵ھ کے اوائل میں چار حفاظ پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل ہوا جس کے حسب ذیل اراکین تھے۔

۱۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ ۲۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ ۳۔ حضرت سعید بن العاص۔

۴۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حارث بن ہشام۔

ان میں سے اول الذکر انصاری اور موخر الذکر تینوں قریشی ہیں۔ ابن سیرین کی روایت ہے کہ بورڈ بارہ اراکین پر مشتمل تھا۔ مختلف روایات میں حضرت ابی بن کعبؓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس۔ حضرت انسؓ بن مالک۔ حضرت مالکؓ بن ابی عامر اور کثیرؓ بن افلح کے نام بھی آتے ہیں۔ اور بعض روایات میں سعیدؓ بن العاص کے بجائے ان کے چچا ابان بن سعید کا نام بھی آتا ہے اور بعض نے عبداللہ بن الحارث بن ہشام المخزومی کا نام بیان کیا ہے۔

اس طرح کاتبین مصحف کی مجموعی تعداد بارہ تک پہنچ جاتی ہے اس بورڈ کے رئیس حضرت زیدؓ بن ثابتؓ تھے اور کاتب سعیدؓ بن العاص۔

اس بورڈ نے مصاحف کے نسخے لکھتے وقت حسب ذیل امور کو ملحوظ رکھا۔

۱۔ یہ تمام نسخے اس وقت مروجہ رسم الخط "الجزم" میں لکھے گئے۔ جسے بعد میں "کوفی" کا نام دیا گیا یہ خط چونکہ نقاط اور اشکال سے خالی ہوتا تھا اس لئے اس میں "حروف سبعہ" کی گنجائش باقی رہی۔

۲۔ اختلاف کی صورت میں قریشی لہجہ اور طرز کتابت کو اختیار کیا گیا۔

۳۔ ان مصاحف میں وہی قرأت لکھی گئی جس کا بعد از تحقیق قرآن ہونا ثابت ہو۔ باقی قرأت شاذہ کو ترک کر دیا گیا۔

۴۔ اثبات و حذف اور بدل وغیرہ میں یہ نسخے متفاوت رکھے گئے تاکہ سبعہ قرأت کی گنجائش باقی رہے۔

۵۔ ایک مصحف میں یہ دونوں رسم نہیں لکھے گئے تاکہ تکرار کا گمان نہ ہو۔

حضرت عثمان نے جو مصاحف لکھوا کر مختلف ممالک میں ارسال کئے وہ حسب ذیل امتیازات کے حامل تھے۔

۱۔ صرف قرأت متواترہ کو ثابت رکھا گیا۔

۲۔ آیات و سور کی موجودہ ترتیب کا التزام کیا گیا۔

۳۔ اس کی کتابت میں گنجائش رکھی گئی کہ مختلف وجوہ قرات کی حامل ہو
۴۔ بعض صحابہ نے اپنے مصاحف میں بطور شرح ناسخ منسوخ کی وضاحت کے لئے حاشیہ دے رکھا تھا اس کو ساقط کر دیا۔

غیر مسلموں کی شہادتیں

سر ولیم میور دیباچہ حیات محمد میں لکھتا ہے۔

اس بات کی تسلی بخش اور قابل اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن اس وقت بھی ٹھیک اسی شکل وصورت میں محفوظ و مامون ہے جس حالت میں حضرت محمد صلعم نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔[۱]

جرمن کے مشہور مستشرق نولڈیکی نے لکھا ہے۔

"یورپ کے جن جن مصنفین نے اب تک اس امر کی زبردست کوشش کی ہے کہ قرآن میں تحریف ثابت کریں۔ اپنی سعی اور جدوجہد میں حیرت انگیز طور پہ ناکام ثابت ہوئے ہیں[۲]

معنوی حفاظت

مسلمانوں نے جس طرح قرآن مجید کے الفاظ اور ترتیب کی حفاظت کی ہے۔ اسی طرح اس مقدس صحیفہ کو تحریف معنوی سے محفوظ رکھا ہے۔ ائمہ نے قرآن مجید کی اجمالی مقامات کی تفسیر احادیث نبوی کی مدد سے کی اور قرآن مجید کو تحریف معنوی سے محفوظ رکھا۔ متکلمین نے قرآنی تعلیمات کو عقل کے ساتھ تطبیق دے کر فلسفیانہ اعتراضات کے جوابات دیئے۔

سوال — تاویل اور تفسیر میں فرق بیان کیجیے

تفسیر کے علاوہ ایک اور لفظ تاویل بھی علماء استعمال کرتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک تفسیر اور تاویل دونوں کے معنی تشریح کرنا ہے[۳]
لفظ تاویل "اَوْل" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی پھیرنا یا لوٹانا، رجوع کرنا وغیرہ ہیں۔ ایک دوسرے قول کے مطابق لفظ تاویل "الایالۃ" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں سیاست یعنی حکمرانی

---

[۱] دیباچہ لائف آف محمدؐ ص ۲۵   [۲] انسائیکلو پیڈیا برٹینکا زیر لفظ قرآن۔
[۳] لسان العرب ج ۱ ص ۳۶۱۔ ایضاً ۱۳، ص ۳۴ ، تاج العروس ج ۷ ص ۱۲۵

اور انتظام سلطنت گویا کلام کی تاویل کرنے والے نے اس کا انتظام درست کر دیا۔ اور معنی کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

اصطلاحاً مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی عبارت کا مطلب اس کے باطن کی طرف لوٹایا جائے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

"تاویل کے معنی ہیں کلام کے کوئی ایسے معنی بیان کئے جائیں جو ظاہری معنی کے خلاف ہوں"[1]

بغوی اور کواشی وغیرہ نے کہا کہ "تاویل اس بات کا نام ہے کہ آیت کو ایسے معنی کی طرف پھیرا جائے جو کہ اس آیت کے ما قبل اور ما بعد کے موافق ہو آیت اس معنی کا احتمال رکھتی ہو اور وہ معنی استنباط کے طریقہ سے کتاب اور سنت کے مخالف نہ ہو۔"[2]

تفسیر اور تاویل میں فرق:۔ تفسیر اور تاویل میں فرق بیان کرتے ہوئے امام راغب فرماتے ہیں: "تفسیر بہ نسبت تاویل کے عام تر چیز ہے اور اس کا زیادہ استعمال مفرد الفاظ میں ہوا کرتا ہے اور تاویل کا استعمال اکثر معانی اور جملوں میں آتا ہے پھر زیادہ تر تاویل کا استعمال کتب الٰہیہ کے متعلق ہوتا ہے۔ اور تفسیر کتب سماویہ اور دیگر تمام کتب کے بارے میں استعمال ہوتا ہے:

گویا تفسیر عام چیز ہے اور تاویل خاص۔

ابو نصر القشیری فرماتے ہیں کہ

"تفسیر کا تعلق محض پیروی اور سماع سے ہے اور تاویل کا تعلق استنباط سے" حقیقت یہ ہے تفسیر اور تاویل میں کوئی فرق نہیں علم تفسیر اور علم تاویل دونوں کا مدعا قرآن مجید کی وضاحت اور تشریح ہے ابو عبیدہ اور ان کے ہم خیال حضرات کا بھی یہی موقف ہے اپنے اس دعویٰ کی دلیل یہ دیتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا کہ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا۔ (فرقان: ۳۳) اور وہ تیرے پاس کوئی اعتراض نہیں لا سکتے مگر ہم حق در جواب اور عمدہ بیان تیرے پاس لا چکے ہیں۔

قرآن مجید کی مراد اور منشا کو اللہ تعالیٰ نے لفظ تاویل سے تعبیر کیا ہے ارشاد الٰہی ہے وما يعلم تاويله الا الله۔ (آل عمران ۳: ۷) اور اس کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تفسیر اور تاویل کا مفہوم اور مدعا ایک ہی ہے۔

---

[1] الفوز الکبیر باب چہارم فصل دوم

[2] بحوالہ الاتقان فی علوم القرآن حصہ دوم ... سیوطی ... ص ۵۰۔

سوال۔ اعجاز قرآن پر سیر کن بحث کیجئے

اعجاز قرآن

قرآن مجید کا بے مثل ہونا:۔ قرآن مجید وہ کتاب ہے جس نے ہر پہلو سے بے مثل ہونے کا دعوےٰ کیا ہے ارشاد الٰہی ہے: قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى أَنْ يَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۸) کہہ دے کہ اگر انس و جن جمع ہو جائیں اور کوشش کریں کہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں تو وہ ہرگز اس کی مثل نہ بنا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔

سورۃ بقرہ میں صرف ایک سورۃ کے مانند کلام پیش کرنے کا چیلنج دیا ہے ارشاد الٰہی ہے:۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا (بقرہ ۲: ۲۳-۲۴) اگر تمہیں اس بات میں شک ہو کہ جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے تو اس کی مانند کوئی سورۃ بنا لاؤ اور اپنے گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم نے اس کی مثل پیش نہ کی اور یاد رکھو کبھی نہ کر سکو گے۔

یہ آیات قرآن کا بے مثل ہونا ظاہر کرتی ہیں۔

دلائل اعجاز قرآن کریم کن کن پہلوؤں کے لحاظ سے معجزہ ہے ان تمام کا احاطہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ صرف چند ایک اعجازی پہلو درج کئے جاتے ہیں

علمی لحاظ سے معجزہ قرآن مجید حقائق علمیہ کا خزانہ ہے۔ جن کو بوجہ خارق عادت ہونے کے علمی اعجاز کہنا چاہیئے۔ قرآنی علوم کو چند بڑے بڑے عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

اوّل : روحانی علوم۔ جن میں خدا کی توحید، اور اس کی صفات کا علم۔ تعلق باللہ کا علم، ملائکہ کا علم، مبداء و معاد کا علم، اخلاق فاضلہ کا علم اور عبادات کا علم، شامل ہے۔

دوم : معاشرتی علوم۔ جن میں عمرانیات، علم سیاست، علم اقتصاد، علم قانون، علم تاریخ، علم تمدن، علم ہندسہ، علم نفس، اور علم مناظرہ شامل ہیں۔

سوم سائنسی علوم۔ جن میں علم کیمیا علم طبیعیات، علم نباتات، علم طبقات الارض علم الجبال علم الحیوانات، علم ہیئت اور علم طبابت شامل ہیں۔

چہارم : علوم لسانیہ : جس میں علم صرف، علم نحو اور علم معانی، علم بیان کے علوم شامل ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے : لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (الانعام ۶ : ۵۹) اور نہ تر اور نہ خشک مگر وہ ایک کھلی کتاب میں ہے۔

اس آیت میں رطب سے مراد روحانی علوم، یابس سے مراد بقیہ تمام علوم ہیں دوسری جگہ آتا ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (الانعام ۶ : ۳۸) ہم نے کتاب میں بیان کرنے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن مجید میں یہ سب علوم خدمت دین کے لئے بطور خارق عادت بیان ہوئے ہیں جن سے بڑے بڑے دقیق مسائل حل کئے جا سکتے ہیں۔ خاص طور پر ہستی باری تعالیٰ ثابت کرنے کے لحاظ سے یہ علوم دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں۔

۲۔ برکات روحانیہ کے لحاظ سے معجزہ : قرآن مجید کے نزول سے قبل اہل عرب ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ جن سے قوم کا نجات پانا محال نظر آتا تھا۔ اس گمراہی اور ظلمت کے زمانہ میں قرآن مجید نے عربوں کو ہر قسم کی بدی سے نجات دلا کر با اخلاق اور با خدا انسان بنا دیا۔ موسیو۔ سیڈیو فرانسیسی لکھتا ہے۔ "اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں انہوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں دیکھا جس کے اثر سے عربوں کی تمام بری اور معیوب عادتوں کی کایا پلٹ گئی۔"[1]

مسٹر ٹامس کارلائل انگلستان کا فاضل مصنف اپنی کتاب "لیکچرز آن ہیرو" میں لکھتا ہے " اسلام قوم عرب کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے پہل اس کے ذریعہ سے زندہ ہوا۔"

۳۔ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ :

قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ اس کا اعتراف نہ صرف

---

[1] بحوالہ تاریخ القرآن مصنفہ مولانا عبد القیوم ندوی ص ۱۔

مسلمانوں کو ہے بلکہ مخالفین کو بھی ہے نزول قرآن کے وقت عرب میں بے شمار فصیح اللسان خطیب اور شاعر تھے۔ جن کی زبان آوری مسلم تھی۔ سب فصحاء و بلغاء قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سامنے اپنے آپ کو ضعیف اور پست سمجھتے تھے۔ کفار کے بلغاء اور فصحاء کو قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف کرنا پڑا۔ لبید زمانہ جاہلیت کا بہت بڑا شاعر تھا۔ اس کی فصاحت و بلاغت و زبان آوری مسلم تھی۔ اس کا قصیدہ ان قصائد میں شامل تھا جو عرب کے سات مشہور قصائد تھے۔ جن کو فصاحت اور بلاغت کی وجہ سے کعبہ میں آویزاں کیا گیا تھا جب وہ مسلمان ہوا تو اس نے شعر کہنے ترک کر دیئے اور کہا کرتا تھا: "جب خدا نے مجھے سورۃ بقرہ اور سورہ آل عمران سکھائی ہے تو اب مجھے شعر کہنا موزوں نہیں۔"

پاپولر انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے: "قرآن مجید کی زبان بلحاظ لفظ عرب نہایت فصیح ہے۔ اس کی انشائی خوبیوں نے اسے اب تک بے مثل اور بے نظیر ثابت کیا ہے۔" قرآن مجید اثر ڈالنے اور یقین دلانے کی طاقت، فصاحت و بلاغت اور تراکیب و بندش الفاظ میں بے نظیر ہے اور دینی سائنس کی تمام شعبوں کی حیرت انگیز ترقی کا باعث ہوا۔[1]

"یہ امر کہ عرب کے بہترین مصنف بھی قرآن کی خوبیوں کے برابر کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہ ہوئے، کوئی تعجب کی بات نہیں۔"[2]

جارج سیل لکھتا ہے: "قرآن کریم بے شبہ عربی زبان کی سب سے بہتر اور سب سے مستند کتاب ہے۔ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے۔"

ڈاکٹر موریس فرانسیسی لکھتا ہے: "قرآن کی سب سے بڑی تعریف اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ مضامین کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے قرآن کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت ہے۔"

قوت تاثیر کے دوسرے معجزہ

قرآن مجید کے الفاظ میں خارق عادت اور اعجازی تاثیر ہے۔ ارشاد الہٰی ہے:

وَلَقَدْ جَآءَهُم مِّنَ الْأَنبَآءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ﴿﴾ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ (قمر ۴:۵) اور یقیناً ان کو (قرآن کے ذریعہ)

---

[1] برٹش نیو پیورلیسر چیز صـ ۱۰۹

[2] PALMER INTRODUCTION P 58

وہ باتیں پہنچ چکی ہیں جن میں تنبیہہ ہے کہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے۔ مگر ڈرانا کسی کام نہ آیا۔

اس قوت تاثیر سے ڈر کر مخالفین لوگوں کو قرآن مجید کے سننے سے روکتے اور یہ کہتے تھے کہ جب کوئی مسلمان سنانے لگے تو شور کرو ارشاد الٰہی ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ:

(السجدہ ۴۱: ۲۶) یعنی کفار نے کہا کہ اس قرآن کو سنا نہ کرو۔ اور اس کے پڑھنے کے وقت شور و غل کیا کرو شاید تم غالب آ جاؤ۔

حضرت عمرؓ کا اسلام لانے کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ گھر سے نور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے نکلتے ہیں لیکن اپنی بہن کے گھر سے قرآن مجید کی آیات سن لیتے ہیں تو ان کے دل میں قرآن کی صداقت اور حقانیت کی بیخ گڑ جاتی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر رکھ کر باہر نکلتے ہیں۔ سیدھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اشاعت قرآن کا عہد کرتے ہیں۔ عرب کا مشہور شاعر جو اپنی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے مشہور تھا۔ جس کا ایک قصیدہ ان قصائد میں شامل تھا۔ وہ خانہ کعبہ میں آویزاں تھے اور وہ قصائد فصاحت و بلاغت کا معیار سمجھے جاتے تھے۔ یہ شاعر سورہ بقرہ کی چند آیات پڑھ کر بے اختیار بول اٹھا کہ: خدا اور اس شخص کے سوا جس پر وحی نازل ہوئی ہے کوئی شخص ایسا کلام نہیں کر سکتا۔ اور وہ فوراً دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ جارج سیل مشہور مستشرق نے بھی لبید کے ایمان لانے کے واقعہ کی تصدیق اپنے ترجمہ کے قرآن کے دیباچہ میں کی ہے۔

خالدؓ بن عتبہ۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت طفیلؓ بن عمرو اور بے شمار صحابہ تھے جنہوں نے قرآن کی چند آیات سنیں اور وہ مسلمان ہو گئے۔

جان ریلیک جرمن فلاسفر کہتا ہے: "جب کہ قرآن پیغمبر کی زبان سے سنکر سنتے تھے تو بے تاب ہو کر سجدے میں گر جاتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔" لہ

جارج سیل لکھتا ہے کہ "قرآن مجید کا طرز بیان عموماً دلکش اور اس میں روانی ہے اور بہت سے مقامات پر خصوصاً اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی عظمت و شان اور جلال

لہ بحوالہ تاریخ القرآن مصنفہ عبدالقیوم ندوی ص۶۰

کا ذکر ہے اس کا طرز بیان اور بھی دلکش اور شاندار اور بلند پایہ ہے وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس قدر کامیاب ہوا کہ اس نے اپنے سامعین کے قلوب کو اس قدر مسخر کیا کہ کئی مخالف یہ خیال کرنے پر مجبور تھے کہ یہ گویا کسی جادو یا سحر کا اثر ہے۔

عدم اختلافات کے لحاظ سے معجزہ:۔

قرآن مجید تئیس برس وکھ اور سکھ کے مختلف اوقات میں نازل ہوتا رہا۔ اور یہ ایسے شخص پر نازل ہوا جو محض اُمّی تھے۔ پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس قدر مختلف حالات زندگی میں سے گزرنا پڑا کہ منصوبہ باز شخص ان حالات میں ایک حالت پر قائم نہیں رہ سکتا اس کے نظریات وعقائد بدلتے رہتے ہیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک وقت وہ آیا جب اپنی قوم کی اصلاح اور بہتری کے لئے غار حرا میں آہ و بکا کیا کرتے تھے پھر چادر نبوت اوڑھ کر میدان عمل میں آگئے تو چاروں طرف سے مخالفت کے بادلوں میں گھر گئے۔ کیا اپنے اور کیا بیگانے سبھی جان لیوا بن گئے آخر کار مکہ معظمہ سے ہجرت کرنی پڑی اور مدینہ چلے گئے۔ ان کے سر پر سیادت وقیادت کا تاج رکھ دیا گیا۔ ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ ریاست اور صحابہ کی جانوں کی حفاظت کے لئے میدان جنگ میں اترنا پڑا۔ تمام عرب کے قبائل مخالف ہو گئے۔ مدینہ میں یہود ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے۔ منافقوں کی ایک جماعت بن گئی۔ آپؐ ان پُرخطر حالات میں اسلام کی کشتی کو سلامتی کے ساتھ پار اتارنے کے لیے کوشاں رہے۔ آخر وہ وقت آگیا جب مخالفت کے بادل چھٹ گئے دشمن مغلوب ہو گئے۔ کیا کوئی انسان یہ بات ذہن میں لا سکتا ہے کہ اس قسم کے مختلف حالات میں انسان ایک ہی حالت پر قائم رہے اور جو وہ کلام پیش کرے۔ اس میں اختلاف نہ ہو۔ انسانی طاقت سے تو باہر ہے۔ ہاں! اختلاف سے پاک کلام وہی ہو سکتا ہے جو ایک علیم و خبیر ہستی کی طرف سے نازل ہو۔ قرآن مجید میں بھی منافقوں اور مخالفوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا (النساء: ۴، ۸۲)

پھر کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں ضرور اختلاف پاتے۔

غیب کی خبروں کا اعلان کرنے کے لحاظ سے معجزہ

قرآن مجید غیب کی خبروں سے بھرا پڑا ہے۔ یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو علیم و خبیر ہے۔ بعض وہ خبریں ہیں جو ماضی سے تعلق رکھتی ہیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان خبروں کو معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا بعض وہ خبریں ہیں جو مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں۔

بائبل کی تحریف:۔

قرآن مجید نے بائبل میں تحریف و تغیر کا دعویٰ اس وقت کیا جب دنیا اس علمی حقیقت سے نا آشنا تھی۔ آج دنیا کے محققین نے اس امر کا اعتراف کر لیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (بقرہ ۲: ۷۵) پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے۔ اور ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اللہ کے کلام کو سنتا ہے پھر سمجھ لینے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے۔

یہ وہ علمی انکشاف ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے خبر پاکر کیا۔ اس علمی حقیقت کا اعتراف خود عیسائی مورخ بھی کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہارن صاحب اپنی تفسیر بائیبل مطبوعہ لندن ۱۸۲۲ء جلد دوم صفحہ ۳۲۱ پر لکھتا ہے کہ "بلا شبہ بعض تحریفیں جان بوجھ کر ان لوگوں نے کی ہیں جو دین دار، پرہیزگار اور راہب تھے۔ غضب یہ ہے کہ بعد میں انہی تحریفات کے سچا ہونے پر اصرار کیا جاتا تھا۔ تاکہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اپنے پر کوئی اعتراض نہ آنے دیں"

رومن تواریخ کلیسا مطبوعہ مرزا پور ۱۸۵۶ء صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے کہ بہت سے مسیحی کتابیں خود لکھ کر کسی حواری مسیح یا حواری مسیح کے کسی خادم یا کسی بڑے اسقف کے نام سے مشہور کر دیتے تھے۔ ایسی جعلی کارروائیاں تیسری صدی عیسوی سے شروع ہوئیں اور کئی سو برس تک جاری رہیں۔ یہ نہایت ہی خلافِ حق اور قابلِ شرم حرکت تھی"

فرعون کی لاش سے متعلق خبر:۔

قرآن مجید نے فرعون موسیٰ کی لاش کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ وہ موجود ہے یہ اس زمانے کی خبر ہے جب کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ فرعون کی لاش محفوظ و مصئون ہوگی۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ

لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ (یونس ۱۰: ۹۲) سو آج ہم تیری لاش کو باہر نکال دیں گے تاکہ تو ان کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشان رہے اور بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے بے خبر ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر جو فرعون تھا اس کا نام رعمیس ثانی تھا انسائیکلو پیڈیا آف بریٹینیکا میں مضمون ممی کے تحت لکھا ہوا ہے کہ رعمیش ثانی کی لاش مصالح کے ذریعہ محفوظ ہے۔

قوت دلائل کے لحاظ سے معجزہ :۔

قرآن مجید کا نام بینہ ہے جس کے معنی ہیں واضح اور کھلی دلیل ۔ ارشاد الٰہی ہے۔ فَقَدْ جَاءَكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ (الانعام ۶: ۱۵۷) یقیناً تمہارے پاس خدا کی دلیل آ چکی ہے۔

قرآن کا مطالعہ کرنے والا آسانی سے یہ جان سکتا ہے کہ قرآن مجید ہر دعویٰ کو دلائل و براہین کے ساتھ منواتا ہے۔

حفاظت کے لحاظ سے معجزہ :

حفاظت قرآن پر پہلے بحث گزر چکی ہے۔ یہاں صرف سلسلہ کلام کو جاری رکھنے کے لئے مختصر سے اعادہ کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر ۱۵: ۹) ہم نے خود یہ نصیحت (قرآن) اتاری ہے اور ہم خود ہی اس کی حفاظت کریں گے یہ کتاب لفظ اور مفہوم دونوں اعتبار سے محفوظ ہے۔ اور محافظ بھی مخلوق نہیں بلکہ خالق کائنات ہے یہ وعدہ چار امور کی حفاظت پر مشتمل ہے۔

۱۔ حفاظت الفاظ قرآن ؛ ۲۔ حفاظت طرز تلفظ و لہجہ و قرأت قرآن ؛
۳۔ قرآن کے مطالب و معانی کی حفاظت ؛ ۴۔ قرآن کی عملی شکل کی حفاظت ؛

قرآن مجید کی ہر پہلو سے حفاظت کا اقرار مستشرقین نے کیا ہے۔ سر ولیم میور نے اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس بات کی تسلی بخش اور قابل اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن اس وقت بھی ٹھیک اسی شکل و صورت

میں محفوظ و مامون ہے جس حالت میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔[1]

سوال:۔ خصوصیات قرآن بیان کیجئے

۱۔ مرقع علم و ہدایت: مذہبی کتب میں سے قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ جو علم و ہدایت کے لحاظ سے مکمل کتاب ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس کے لئے اس کتاب سے راہنمائی نہ ملتی ہو۔ اسی لئے قرآن مجید کو ھُدًی لِلنَّاسِ (لوگوں کے لئے مرقع ہدایت) کہا گیا ہے۔ اسی طرح یہ کتاب علم کی تمام شاخوں کی آب یاری کرتی ہے۔ اس میں تاریخی اصول بھی ہیں۔ جس کے تحت قوموں کا عروج و زوال واقع ہوتا ہے اس میں اخلاقی ضابطے ہیں۔ جس سے فرد اور معاشرہ کی زندگی سنورتی ہے۔ اس میں مطالعہ کائنات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ جس سے تمام سائنسی علوم منضبط ہوتے ہیں۔ اس میں علم سیاست، علم الاقتصاد، علم عمرانیات علم لسانیہ وغیرہ بیان کر دیئے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کتاب کو کامل ترین ہونے کا دعویٰ ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ ۵: ۳) آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے۔ تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر راضی ہوا ہوں۔

۲۔ حق و باطل میں تمیز: اس کتاب کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ حق اور باطل۔ خیر و شر اور اچھے اور بُرے کے درمیان تمیز کرنے والی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (البقرہ ۲: ۲۵۶) ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے: اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (الطارق ۸۶: ۱۳) یہ فیصلہ کرنے والی بات ہے۔ اسی لیے اس قرآن مجید کو فرقان بھی کہا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (فرقان ۲۵: ۱)

---

[1] دیباچہ لائف آف محمد ص ۲۵

وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام جہانوں کو ڈرانے والا ہو جائے

۲۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحلت کئے ہوئے تقریباً چودہ سو سال ہو گئے ہیں۔ اس وقت سے اب تک دنیا میں ہزار ہا انقلابات پیش آئے لیکن قرآن مجید ایک محفوظ کتاب چلی آ رہی ہے اس کا ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ رہنا ایک عجیب معجزہ قدرت ہے جس کی خبر پہلے ہی قرآن مجید میں موجود ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (حجر ۱۵: ۹)

ہم نے خود ہی یہ نصیحت اتاری ہے اور ہم خود ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

۴۔ اسلامی تعلیم کی سہولت:۔

قرآن مجید میں ایسی تعلیم پائی جاتی ہے جس پر ہر طبقہ اور ہر ملک اور ہر عمر کا انسان مرد یا عورت آسانی کے ساتھ عمل کر سکتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ (لیل ۹۲: ۷) پس اس کو آسان شریعت کی توفیق دیں گے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بُعِثْتُ بِالْمِلَّةِ الْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ السَّهْلَةِ الْبَيْضَاءِ میں ایک ایسے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو ایک اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کراتا ہے اس میں تنگی نہیں ہے اور سہل اور روشن ہے

۵۔ قوی التاثیر اور سریع التاثیر:۔

قرآن مجید اپنے اندر عجیب قسم کی تاثیر رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔

لَوْ أَنْزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (حشر ۵۹: ۲۱) اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا۔ اس سرعت تاثیر کا نتیجہ ہے کہ اسلام ایک قلیل عرصہ میں دنیا کے تمام گوشوں میں پھیل گیا قرآن مجید کی تاثیر کا اعتراف ان اصحاب نے بھی کیا جو اسلام کے مخالف تھے۔ سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد میں لکھتا ہے۔ اگرچہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اوامر و احکام اس وقت تک تھوڑے اور سادہ طور کے تھے مگر انہوں نے ایک تعجب انگیز اور عظیم الشان کام کیا۔[1]

---

[1] لائف آف محمد ص ٦٩

٣۔ محفوظیت قرآن:۔

۶۔ عالمگیر کتاب :۔

کسی آسمانی کتاب نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ایک تو وجہ یہ ہے کہ تمام سابقہ کتب کسی ایک قوم کی راہنمائی کے لیے آتی تھیں۔ دوم۔ جس زمانے میں وہ کتب نازل ہوئی تھیں وہ عالمگیر دعویٰ کا مقتضی نہیں تھا۔ جب قرآن مجید نازل ہوا ایک تو اس نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ دوم۔ وقت بھی اس کا تقاضا کرتا تھا کہ کوئی ایسی کتاب نوع انسانی کی ہدایت کے لیے نازل ہو جو عالمگیر ہو تاکہ تمام نوع انسانی کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (یوسف ۱۲ : ۱۰۴) یہ کتاب تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔

۷۔ اخوت اور مساوات کا پیغام :۔

قرآن مجید ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جو اخوت اور مساوات کا پیغام دیتی ہے قرآن مجید میں آتا ہے، كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (یونس ۱۰ : ۱۹) سب لوگ ایک ہی اُمت ہیں لیکن وہ آپس میں جھگڑتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء ۴ : ۱) اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا۔

ریورینڈ کینن آئزک ٹیلر صاحب اپنے ایک مضمون "افریقہ میں اسلام کی ترقی" جو اخبار لنڈن ٹائمز اور سینٹ جیمس گزٹ لندن مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۸۸۷ء میں شائع ہوا۔ لکھتا ہے "اسلام حقیقی اخوت اور مساوات سکھاتا ہے یہ سب سے بڑی رشوت ہے جو اسلام غیر مسلموں کے سامنے پیش کرتا ہے"۔

۸۔ دوسرے بزرگوں کا احترام :

قرآن مجید رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں۔ مسلمانوں کو ان سب پر ایمان لانے اور احترام کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ ۲ : ۲۸۵) رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب سے اس کی طرف اتارا گیا اور مومن بھی سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کچھ تفریق نہیں کرتے۔

۹۔ پہلی کتب کا مصدق :۔

قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو پہلی آسمانی کتب کی تصدیق کرتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے : وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (بقرہ ۲: ۴۱) اور اس پر ایمان لاؤ جو میں نے اتارا ہے اس کی تصدیق کرتا ہے۔ جو تمہارے پاس ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے : وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ (المائدہ ۵: ۴۸) اور ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اتاری اس کی تصدیق کرتی ہوئی جو اس سے پہلے کتاب میں سے ہے۔

۱۰ دعویٰ کے ساتھ دلیل :۔

قرآن مجید کسی دعوئ کو بغیر دلیل کے نہیں منواتا۔ اس وجہ سے شروع میں ہی قرآن مجید نے لَا رَيْبَ فِيْهِ (اس میں کوئی شک نہیں) کہہ کر قارئین کی توجہ اس طرف پھیر دی ہے کہ دعوئ کے ساتھ دلائل و براہین ہوں گے جس کی وجہ سے شک و ابہام کی گنجائش نہیں رہے گی یہ کتاب انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر قسم کے دلائل دیتی ہے تاکہ شک و شبہہ کے بادل چھٹ جائیں۔ اس وجہ سے قرآن کا نام بیّنہ (واضح دلیل) بھی ہے۔

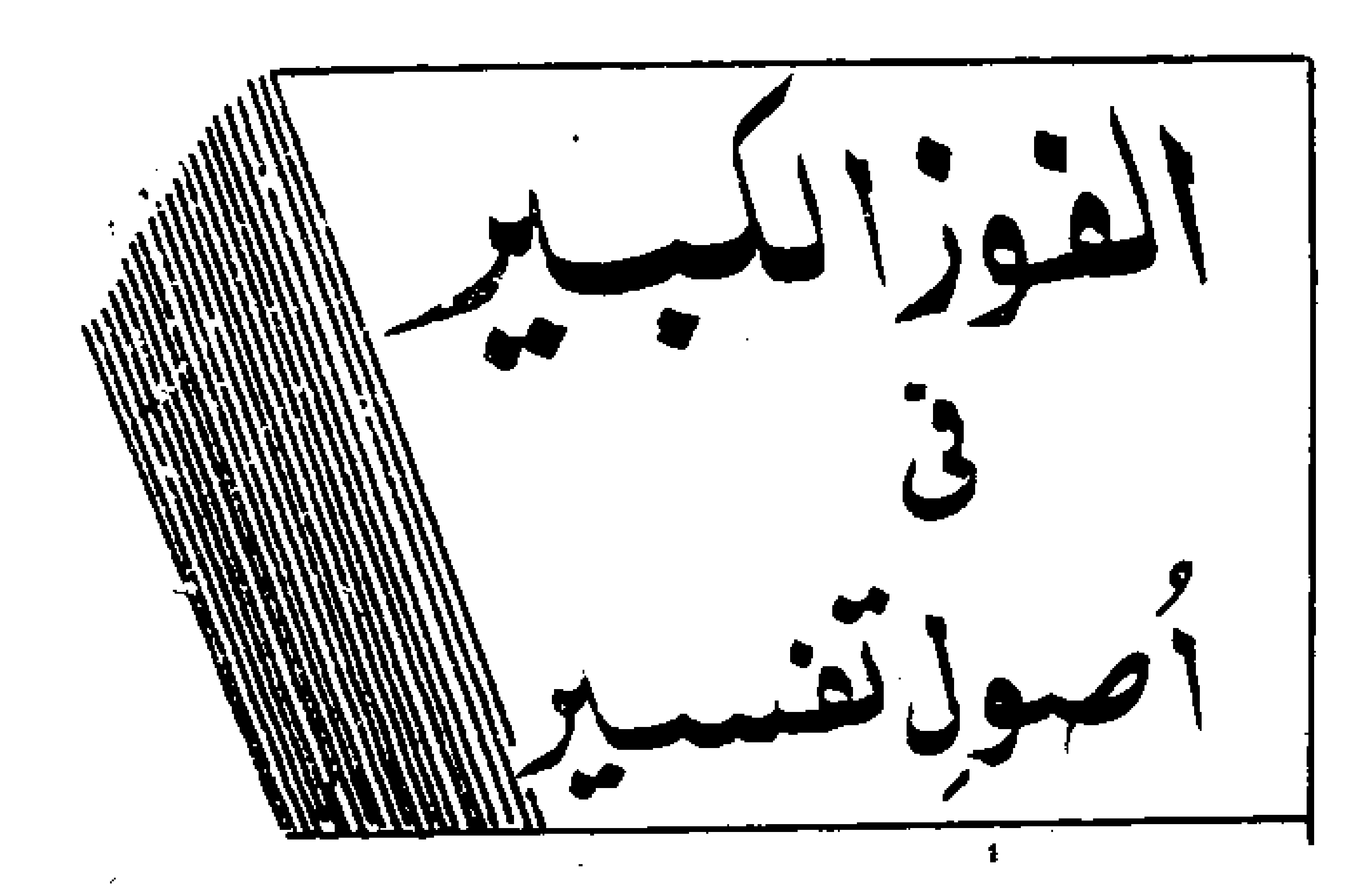
۱۱۔ آسمانی ادب :

قرآن مجید کی یہ ایک بڑی خصوصیت ہے کہ دنیا کی بہترین ادبی کتاب ہے۔ - قرآن مجید کا اندازہ کلام وہ ہے جو انسانی ذوق اور انسانی حسیات جمال اور انسانی معیاری طاقت کے لحاظ سے ایسی بلندیوں کو چھو رہا ہے جس کی کوئی مثال نہیں الفاظ اور اصطلاحات روایت کے دائرے سے لے گئے ہیں۔ تشبیہیں اور استعارے جانے پہچانے ماحول سے اٹھائے گئے ہیں۔ انسانی لٹریچر میں بلاغت و فصاحت کے جو راستے نکالے گئے ہیں ان کو مدنظر رکھا گیا ہے لیکن بحیثیت مجموعی جو ادب پارہ تیار ہوا ہے وہ منفرد اور یکتا ہے۔[۱]

---

[۱] سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر ص ۲۷۵

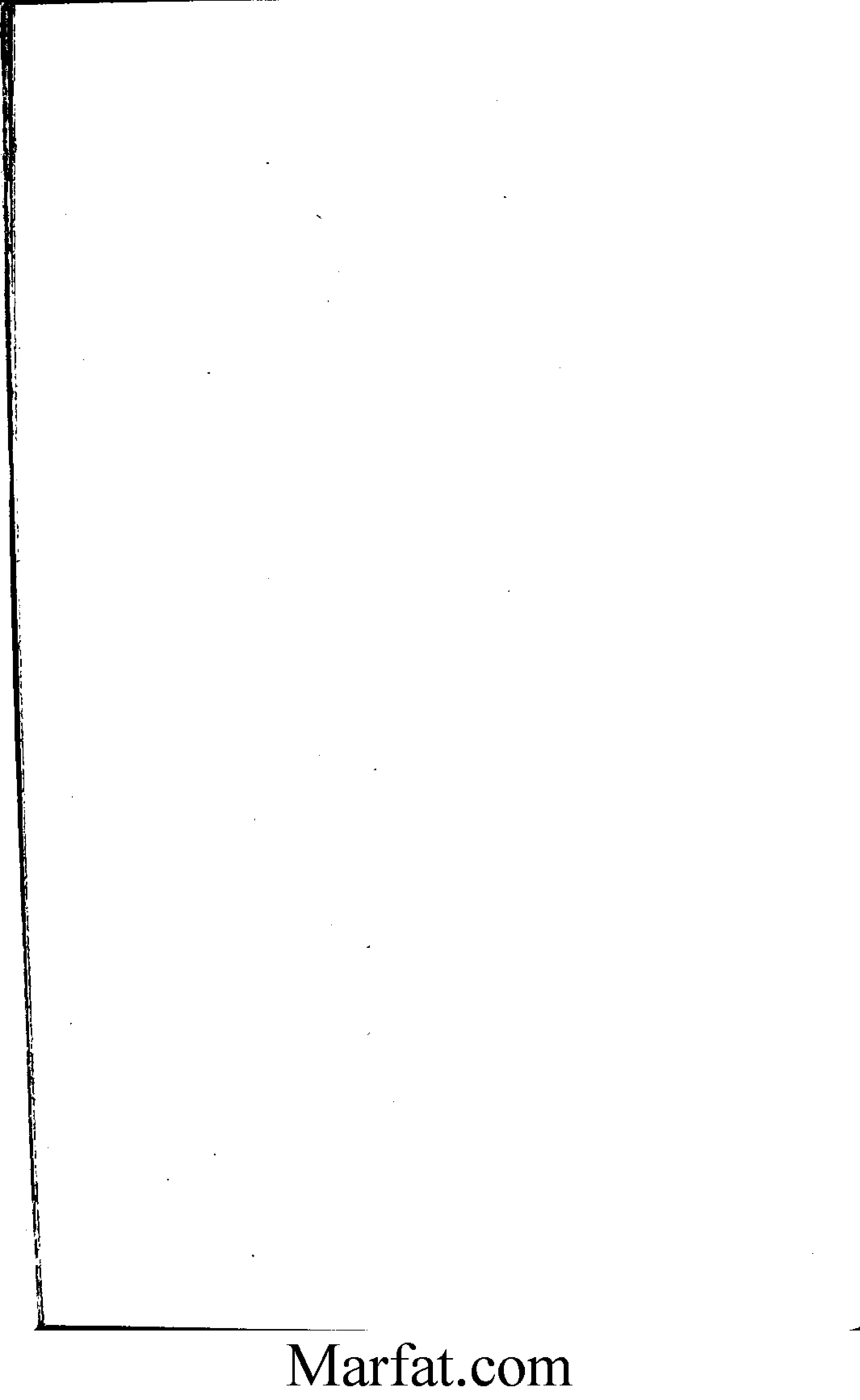
— تلخیص —



— تالیف —

مولانا محمد طفیل

شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، جلال دین ہسپتال بلڈنگ، اردو بازار، لاہور



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال : حضرت شاہ ولی اللہ کے حالاتِ زندگی قلم بند کیجئے نیز آپ کی کتاب "الفوز الکبیر" کا اصولِ تفسیر کے حوالے سے علمی تحقیقی مقام متعین کیجئے۔

جواب : (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

نام نسب

آپ کا نام احمد، لقب ولی اللہ تھا، آپ کے والد کا نام شاہ عبدالرحیم تھا، آپ کے دادا شیخ وجیہہ الدین شاہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے دربار کے مقتدر سرداروں اور فوجیوں میں شمار ہوتے تھے، آپ کا سلسلہ نسب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، آپ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ / ۲۱ فروری ۱۷۰۳ء کو پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت

شاہ عبدالرحیم ایک بلند پایہ عالم اور صوفی تھے شاہ ولی اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا، دس سال کی عمر میں فوائد ضیائیہ اور پندرہ سال کی عمر میں تفسیر بیضاوی کا ایک جزو پڑھ کر فراغت حاصل کی، اور اس وقت اپنے والد بزرگوار کے ہاتھ پر طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کی، عمر کا سترھواں سال تھا کہ شاہ عبدالرحیم کا انتقال ہو گیا، اور ان کی مسندِ تدریس خالی ہو گئی حضرت شاہ ولی اللہ نے ۱۲ سال اپنے باپ کی مسند پر بیٹھ کر تدریسی خدمات انجام دیں۔ کتب حدیث کی سند مولانا محمد افضل سیالکوٹی سے حاصل کی ۳۱ سال کی عمر میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور وہاں دورانِ قیام مدینہ منورہ میں حضرت شیخ ابو الطاہر مدنی سے استفادہ کیا۔ اور اجازتِ حدیث حاصل کی۔

خدمات

حضرت شاہ ولی اللہ کا زمانہ طوائف الملوکی کا دور تھا، سلطنتِ مغلیہ زوال پذیر تھی، اس سیاسی صورتِ حال کی بنا پر آپ نے لوگوں کی اصلاح کی ٹھانی، اس وقت فوج میں جذبہ جہاد کی کمی، امراء میں اسلامی روایات کا فقدان، غیر شرعی رسوم کی کثرت، علماء میں اجتہادی اور تبلیغی کام کرنے میں عدم توجہی قسم کی بیماریاں مسلمانوں کو گھن کی طرح کھا کر کھوکھلا کر رہی تھیں، ادھر مرہٹے، راجپوت روز بروز اسلامی سلطنت پر حملے کر رہے تھے، ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے قدم جمانے میں مصروف تھی، ایسے وقت میں حضرت شاہ صاحب نے دینی، مذہبی، ملی، سیاسی ہر میدان میں بیک وقت کام کیا۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے تصنیفات کا کام شروع کیا، تفسیر، حدیث، اصول، فقہ وغیرہا میں گرانقدر تصنیفات لکھ کر علماء میں اجتہادی اور علمی روح

کو زندہ کرنے کی سعی بلیغ کی، سیاسی صورت حال سے نپٹنے کے لیے جب آپ نے دیکھا کہ مغلیہ سلطنت بالکل ختم ہو رہی ہے تو آپ نے احمد شاہ ابدالی جو اس وقت افغانستان کے فرمانروا تھے کو خط لکھ کر ہندوستان پر حملہ کی دعوت دی اس طرح مرہٹے اور راجپوت اور سکھ ان کی یلغار کا سلسلہ کافی حد تک ختم ہو گیا۔

تصنیفات آپ نے ہر موضوع پر تصنیفات کا گرانقدر ذخیرہ چھوڑا ہے سب سے پہلے آپ نے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا، اور یہ فارسی زبان کا سب سے پہلا ترجمہ ہے) اس سے قبل کسی نے بھی عربی زبان کے علاوہ قرآن کی نہ تفسیر کی تھی اور نہ ترجمہ کیا تھا۔ اور اس کا نام، (۱) فتح الرحمٰن رکھا (۲) الفوز الکبیر (۳) فتح الخبیر (۴) مقدمہ در اصول ترجمۃ القرآن

حدیث، مسوی شرح مؤطا، عربی مصفیٰ شرح مؤطا۔ فارسی

اربعون حدیثا	الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین
النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر	الفضل المبین
تراجم ابواب بخاری	الانتباہ فی سلاسل الاولیاء
حجۃ اللہ البالغہ،	البدور البازغہ،
الانصاف فی بیان سبب الاختلاف	عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید،
السر المکتوم،	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین
التفہیمات الالٰہیہ	فیوض الحرمین
سطعات،	ہمعات،
لمحات،	القول الجمیل
الطاف القدس،	ہوامع،
الخیر الکثیر	شفاء القلوب
کشف الغین	زہراویین
فیصلہ وحدت الوجود،	سرور المحزون،
ازالۃ الخفاء	انفاس العارفین،
قصیدہ اطیب النغم،	صرف میر منظوم

اس کے علاوہ مکتوبات، دیوان شعر اور دیگر بہت سی کتب تصنیف کیں۔ جن کی تعداد

سائنٹ کے لگ بھگ ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ کو تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی

وفات

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کا مقام بحوالہ، اصولِ تفسیر کی تفہیم کیلیے اسلامی تعلیمات

سب سے اہم بات قرآن مجید کا سمجھنا ہے کیونکہ یہ آسمانی کتاب ہے اور ہماری ہدایت کے لیے اتاری گئی ہے، اس لیے اس کو سمجھنا نہایت ضروری ہے،

قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے کچھ اصول متعین کیے گئے ہیں تاکہ ان اصولوں پر چل کر صراطِ مستقیم کی تلاش میں دشواری نہ ہو، اس مقصد کی خاطر حضرت شاہ ولی اللہ سے قبل بھی بہت سی کتب لکھی گئیں جن میں۔ علامہ سیوطی کی کتب، الاتقان، اسباب النزول وغیرہ اور ابن تیمیہؒ کی کتاب رسالہ اصولِ تفسیر بہت معروف ہیں لیکن الفوز الکبیر کو جو مقام اور جامعیت حاصل ہے وہ صرف اسی کا حصہ ہے اس قدر جامع اور مفید کتاب اس سے قبل اس فن میں بالکل نہیں پائی جاتی یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو شروع سے تاحال مدارس کے نصاب میں شامل رکھا گیا ہے۔

اس کتاب کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ کتاب قرآن مجید کے جمیع علوم پر حاوی ہے، اور قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے ایک مبتدی یا منتہی کو جو علوم درکار ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں،

(۲) شاہ صاحب نے قرآنی علوم کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو قرآن مجید کی کوئی آیت ان پانچ علوم سے باہر نہیں ہے)

(۳) مسائل و احکام کے اختلاف کو حل کرنے کے لیے قاعدہ نسخ کو بہترین انداز میں پیش کیا اور ان آیات کی تعداد بھی متعین کی ہے جو منسوخ ہیں۔

(۴) یہ ایک مختصر رسالہ ہے مگر جامعیت کے لحاظ سے بڑی بڑی مطولات پر بھاری ہے۔

فوز الکبیر چار ابواب پر مشتمل ہے یہ کتاب دراصل فارسی میں تھی شاہ ولی اللہ نے ایک عربی رسالہ فتح الخبیر کے نام سے لکھا۔ اس کو بھی فوز الکبیر کا پانچواں باب سمجھا جاتا ہے۔

اس کے پہلے باب میں علوم پنجگانہ کا ذکر ہے۔ احکام، تذکیر بالآء اللہ، تذکیر بایام اللہ علم مخاصمہ یا مباحثہ، تذکیر الموت وما بعد الموت دوسرے باب میں لغت قرآن اور اس میں بیان کردہ

مسائل میں اختلاف کا حل بیان کیا گیا ہے ۔

تیسرے باب میں اسلوب قرآن بیان کیا گیا ہے ۔

چوتھے باب میں فنونِ تفسیر اور صحابہ اور تابعین کی تفسیروں میں اختلاف کا سبب اور اس کا حل بیان کیا ہے

سوال ، شاہ ولی اللہ نے فوز الکبیر کے پہلے باب میں جن علوم پنجگانہ کا ذکر کیا ہے تفصیل سے لکھئے ۔

جواب ، شاہ ولی اللہ نے فوز الکبیر کے پہلے باب میں قرآن مجید کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی آیت ان پانچ علوم سے باہر نہیں ہے (۱) علم الاحکام (۲) علم المخاصمہ (۳) تذکیر بایام اللہ ، (۴) تذکیر بالاء اللہ ، (۵) موت وما بعد الموت ،

(۱) علم الاحکام حضور علیہ السلام کی بعثت چونکہ ملتِ ابراہیمی پر ہوئی تھی اس لیے اصول تو برقرار رکھے گئے اس کی تشریحات وتوضیحات میں اضافہ کر دیا گیا ۔ احکامات اور مسائل کی وضاحت کر دی گئی ، اور جو جو تحریف ان اصول وقواعد میں ہو چکی تھی ان کی اصلاح کر دی گئی چونکہ قرآن مجید کے اولین مخاطب اہل مکہ تھے اور وہ اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی کے پیروکار خیال کرتے تھے اس لیے پہلے پہل ان کا تزکیہ نفس کیا گیا اور احکامات کی تفصیل ان تک پہنچا کر عمل کی ترغیب دی گئی ، ان کی رسوم وعادات کی اصلاح کر کے باقی رکھا گیا ۔ جو خلاف شرع تھیں ان کو بند کر دیا گیا ملتِ ابراہیمی کی بنیادی عبادتوں اور طہارت وغیرہ کی اصلاح کی گئی ، ان کو خصائل فطرت شمار کیا گیا ۔

نماز حج ، روزہ اور زکوٰۃ ملتِ ابراہیمی کے شعائر تھے کو تفصیل سے بیان کیا گیا اور شدت سے ان پر عمل کرنے کا حکم دیا ، معاشرتی اور تمدنی زندگی میں پیش آمدہ مسائل کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ، جہاد وقتال ، حدود وتعزیرات اور باہمی تعلقات کو قرآن مجید میں وضاحت سے بیان کیا گیا تاکہ تمدنی زندگی صحیح اسلامی طریقہ پر بسر کی جا سکے ۔

(۲) علم المخاصمہ یا مباحثہ اس کو علم مناظرہ بھی کہا جاتا ہے ، اس وقت قرآن مجید کے مخاطب چار گمراہ فرقے تھے ، مشرکین مکہ ، یہود ، نصاریٰ منافقین ،

قرآن مجید میں ان چار مذاہب کے عقائد کو بیان کر کے ان کا رد بلیغ مختلف انداز میں کیا گیا ہے ، کسی جگہ تو ان کے عقائد کی اصلاح کی گئی ہے ، کہیں ان کی تردید کے لیے تقابل کیا گیا ہے انکے عقائد کے رذائل اور اسلام کے فضائل بیان کیے گئے ہیں یا ان کے اعتراضات کا جواب بالحسن طریقہ

دیا گیا ہے تاکہ ان پر حجت تمام ہو سکے۔

تذکیر بالاء اللہ

قرآن مجید میں تیسرے نمبر آلاء اللہ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لیے ان پر کی گئی نعمتوں کو یاد دلا کر کفر سے باز رکھا۔ اس سلسلہ میں ایسا انداز اختیار کیا کہ شہری، دیہاتی، عربی، عجمی سب اس کو برابر سمجھ سکیں۔ اس میں نہ تو کوئی علم کلام کی دقیق بحثیں پیش کی گئی اور نہ ہی ان نعمتوں کا ذکر کیا گیا جو صرف بادشاہوں اور امراء کو حاصل ہوں اور دوسرے عام لوگ اس سے بے خبر ہوں بلکہ عام قسم کی نعمتوں، مثلاً آسمان کا پیدا کرنا، بادل سے بارش برسانا، چشموں کا پھوٹ پڑنا، پھل پھول اور سبزیاں اگانا وغیرہ عام آدمیوں کو سمجھ آنیوالی نعمتوں کا ذکر کیا تاکہ لوگ سمجھ سکیں۔

پھر بعض دفعہ جب لوگوں کی حالت بدل جاتی ہے مثلاً کوئی بیمار تندرست ہو گیا، تنگ دست کو فراخی حاصل ہو گئی تو وہ خدا کو بھول جاتے ہیں اس لیے بعض دفعہ تنبیہ بھی کی گئی تاکہ ان کو خبردار بھی کیا جاتا رہے، اور بار بار ان نعمتوں کی طرف توجہ دلائی گئی۔

تذکیر بایام اللہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض واقعات کا ذکر بھی کیا۔ اس میں نہ تو قصہ گو لوگوں کا انداز اپنایا کہ ہر بات کی تفصیل اور مبالغہ آمیزی کی جاتی اور نہ ہی تاریخ دانوں کی طرح واقعات کی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا، بلکہ جس قدر انسانوں کی ہدایت کے لیے ضروری تھا۔ بیان کر دیا گیا، اور بعض کو ترتیب کے لحاظ سے اوّل آخر کر دیا گیا، اس میں خصوصاً بنی اسرائیل کے واقعات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون اور اس کے قوم کا ذکر، حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت یوسف علیہم السلام کے واقعات بیان کیے گئے، جس لوگوں پر انعام ہوئے ان کا ذکر ہوا، اور جس لوگوں کو سزا دی گئی۔ مثلاً قوم سبا، قوم لوط، سد مارب کا قصہ وغیرہ، یہ سب چیزیں جس قدر انسانی ہدایت کے لیے ضروری تھیں ان کا ذکر کر دیا گیا۔ بعض کو ایک دفعہ بعض کو دو دفعہ بعض کو تین دفعہ ذکر کیا لیکن ہر دفعہ اس کا انداز بھی بدل دیا گیا۔

تذکیر الموت وما بعد الموت

چونکہ عقیدہ آخرت ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس وقت موجود قومیں اپنے اپنے مذاہب کے لحاظ سے آخرت کے متعلق مختلف نظریات رکھتیں تھیں۔ اس لیے ان کے عقائد کو پیش کر کے قیامت کے متعلق صحیح عقیدہ کی وضاحت کی گئی، اس میں اشراط ساعۃ، وقوع قیامت کی نشانیاں

بیان کی گئیں حشر و نشر، جزا و سزا کا ذکر ہوا۔ باطل عقائد کا رد کیا گیا۔ ان سے عقیدہ کی صحت پہ دلائل طلب کیے گئے اور جب ان کی طرف سے جواب بن نہ پڑا تو بعض دفعہ ان کے جوابات اور عقلی قیاس آرائیوں کو بیان کر کے اس کا تجزیہ کیا گیا۔

قرآن مجید میں ان پانچ علوم کا ہی ذکر ہے جس آیت یا سورت کو آپ دیکھیں ان پانچ قسموں سے باہر نظر نہیں آتی، یہ حضرت شاہ ولی اللہ کا قرآن مجید پر مکمل عبور اور اس میں غور و فکر کا نتیجہ ہے۔

سوال) شرک، تشبیہ اور تحریف کی وضاحت کریں۔

جواب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بے شمار مذاہب تھے، ان میں تین بہت مشہور تھے، ان میں سے ہر ایک اپنے عقیدہ کو خدائی عقیدہ کہتا تھا، (۱) اہل مکہ یعنی مشرکین (۲) یہود (۳) نصاریٰ۔

اہل مکہ اپنے آپ کو حنیف یعنی ملت ابراہیم علیہ السلام کا پیروکار سمجھتے تھے، یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت تھے، نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے تھے حضور علیہ السلام کی بعثت کے وقت یہ تمام مذاہب اپنی اصلی حالت بدل چکے تھے، ان کے نظریات اور عقائد میں بہت زیادہ تضاد پایا تھا۔ بنیادی عقائد ہی بدل چکے تھے۔ ان کے عقائد میں درج ذیل چیزیں داخل ہو چکی تھیں۔ شرک، تشبیہ، تحریف۔

شرک شرک کا معنی اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ کو غیر خدا کی طرف منسوب کرنے کا نام شرک ہے۔ خلق کا پیدا کرنا، روزی عطا کرنا، عبادت کے لائق ہونا، اس کے سامنے سجدہ کرنا وغیرہ ان لوگوں نے اس میں اور لوگوں کو شامل کر دیا تھا۔ مثلاً مشرکین مکہ، بتوں کی عبادت کرتے تھے، کارخانہ قدرت میں ان کو خدا کا مددگار مانتے تھے۔ ان کو نفع نقصان کا مالک سمجھتے تھے۔ تو پہلے ان کے ان عقائد کو بیان کر کے قرآن مجید نے ان کی عقلی اور نقلی طریقہ سے تردید کی، اور ان کو سمجھایا، اسی طرح یہود میں گائے پرستی ضرور تھا۔ اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کو خدا کہتے تھے۔ یہ سب کچھ شرک تھا۔ تو ان کو سمجھایا کہ خدا کی ذات ان تمام صفات میں جو تم بیان کرتے ہو۔ یکتا ہے۔ اس کی نہ کوئی اولاد ہے نہ بیوی ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق ہے۔

تشبیہ تشبیہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے صفاتِ بشریہ کا ثابت کرنا۔

مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ عیسائی حضرت مریم کو خدا کی بیوی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا، یہودی حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ جن بتوں کو وہ معبود بنائے ہوئے ہیں یہ خدا کے سامنے سفارش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی سفارش کو اپنی مرضی کے خلاف بھی قبول کرتا ہے۔ جس طرح دنیا کے بادشاہ بعض دفعہ اپنے وزراء اور مشیروں کی سفارش جو ان کی مرضی کے خلاف ہوتی ہے وہ بھی قبول کرتے ہیں۔

تحریف تحریف کا معنی بدلنا ہے، مشرکین مکہ کا دعویٰ تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں حضرت اسماعیل کی اولاد سنر دیشت میں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے نقش قدم پر چلتے رہے پھر ایک وقت آیا عمر و بن لحی نے ان کے لیے اصنام کے کلاتے سے بت لا کر کعبۃ اللہ میں نصب کر دیے اور ان کی طرف لوگوں کو بلایا، اس طرح ان لوگوں نے اسی کو دینی ابراہیمی سمجھنا شروع کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو ان لوگوں نے خدا کا بیٹا سمجھ لیا جو صریح تحریف تھی۔

دوسرا باب

سوال، نسخ کا کیا معنیٰ ہے، شاہ ولی اللہ کے نزدیک قرآن مجید کی کل کتنی آیات منسوخ ہیں۔

اصولِ تفسیر میں ایک مشکل بحث ناسخ منسوخ کی ہے اللہ تعالیٰ نے خود اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم جو حکم یا آیت منسوخ کر دیں یا آپ کو بھلا دیں تو پھر ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل لے آئیں، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے" نسخ و منسوخ کا ضابطہ موجود ہے جب ہم صحابہ تابعین اور اس کے بعد متقدمین علماء کو دیکھتے ہیں تو انہوں نے نسخ کا معنیٰ یہ کیا ہے" ازالۃ شیئ بشیئ" ایک چیز کا ازالہ کسی دوسری چیز سے یہ اس کا لغوی اور حقیقی معنیٰ ہے، اسی لیے ان کے نزدیک کسی آیت کا حکم بالکل ختم ہونا، اس کے کسی ایک حصہ کا منسوخ ہونا، یا کسی قید کا ختم ہونا، یا کسی وصف کا تبدیل ہونا، وغیرہ سب نسخ ہے جبکہ اہلِ اصول اور متاخرین کے نزدیک نسخ ایک اصطلاح ہے جس کا معنیٰ ہے کسی آیت کے حکم کو ختم کرنا اور اس پر عمل بالکل بند کر دینا،

منسوخ آیات جب ہم متقدمین کے رائے کے مطابق دیکھتے ہیں قرآن مجید میں منسوخ آیات کی تعداد بے شمار ہے بعض نے ان کی تعداد پانچ سو بیان کی اور بعض نے کہا کہ یہ حدِ حساب سے باہر ہے، جبکہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے ان پر کچھ تتبع کیا اور

متاخرین کے جرح قدح کے مطابق منسوخ آیات کی چھانٹی کی اور ابنِ عربی کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد بیس بیان کی ہے شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں مجھے ان میں بھی تردد ہے چنانچہ آپ نے ان میں سے اکثر کو غیر منسوخ قرار دیا اور اس کی علتیں بھی بیان کیں مثلاً امام سیوطیؒ کی بیان کردہ آیات ہیں، احل لکم لیلۃ الصیام الایہ سے یا ایھا الذین امنوکتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم الایہ ہے منسوخ ہے آپ فرماتے ہیں کما کتب میں تشبیہ صرف فرضیت روزہ میں تھی نہ کہ اس جمیع امور میں لہذا باقی قیود ان کی اپنی اختیار کردہ تھیں جس کی اللہ تعالیٰ اس آیت میں وضاحت فرمائی ہے شاہ ولی اللہ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ ہمیں کوئی ثبوت اس بات کا نہیں مل سکا کہ حضور علیہ السلام نے روزے کی راتوں میں وطی حرام کی ہو۔ اس لیے صرف لوگوں کی حالت کو بدلا ہے جو کہ اس سے قبل آیت یا حکم کا نسخ نہیں ہے اسی طرح، وان تبدوا مافی انفسکم او تخفوھا یحاسبکم بہ اللہ آیت لایکلف اللہ نفساً سے منسوخ ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تخصیص عام کی قسم ہے اور اس میں دل خلوص یا نفاق کا ذکر تھا۔ اور اس پر محاسبہ ہوگا، نہ کہ جو خطرات، خیالات دل پر گزرتے ہیں اور ان پر انسان کو قدرت بھی نہیں، اس لیے وہ ناسخ نہیں ہوسکتی، اس طرح بہت سی آیات میں شاہ ولی اللہ نے کلام کیا اور اس کے معنی کے لحاظ سے عدم نسخ کا قول کیا ہے۔

جن آیات کو شاہ ولی اللہ صاحب نے منسوخ مانا ہے وہ صرف پانچ آیات ہیں اس کے علاوہ ہر ایک آیت کی معنیٰ توجیح ممکن قرار دی گئی ہے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) کُتِبَ اذا حضرَ احدکم الموت الایہ ، یہ آیت یوصیکمُ اللہُ فِی اولادِکُم سے

(۲) وان یکن منکم عشرون صابرون الایۃ آلان خفف اللہ لکم سے

(۳) انا احللنا لک ازواجک اللاتی الایہ لایحل لک النساء من بعد سے یہ تلاوت میں ناسخ سے مقدم ہے۔

(۴) اذا ناجیتمُ الرسولَ فقدّموا الایہ فاِن لم تفعلوا فاِنّ اللہ غفور رحیم اور اس سے اگلی آیت ہے۔

(۵) شھادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت الایۃ ۔ واشھدوا ذوی عدلٍ منکم سے یہ آیت بھی جمہور کے نزدیک منسوخ نہیں لیکن امام احمد کے معنی کو شاہ صاحب نے ترجیح دیتے ہوئے منسوخ مانا ہے

سوال ؛ اسباب نزول پر بحث کیجئے۔

جواب ، اسبابِ نزول کی بحث سے قبل ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں قصص ذکر ہوئے ہیں ان کا مطلب ہرگز یہ نہیں ان قصص سے کوئی قرآن مجید کی چاشنی میں معتد بہ اضافہ ہو۔

متقدمین و متأخرین کے درمیان اس بات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہ صحابہ تابعین جب یہ کہتے ہیں کہ نزلت فی کذا یا انزلت کذا تو اس کا مقصد یہ ہو کہ اس قصہ پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اکثر متأخرین مفسرین نے یہ ایک آیت کے لیے ایک قصہ جوڑنے کی کوشش کی ہے کہ یہ آیت فلاں واقعہ کے وقت نازل ہوئی اور یہ فلاں

شاہ صاحب فرماتے ہیں، صحابہ تابعین کا یہ کہنا کہ انزلت فی کذا وغیرہ سے قطعاً یہ مراد نہیں ہوتی کہ ضرور، بعینہ اس قصہ کے مطابق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ اور اس قسم کے واقعات جو بعد میں بھی رونما ہونگے ان کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا ہے۔ بلکہ کبھی دوفعہ ایسا بھی ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تابعین کے دور میں کوئی واقعہ ہوا اور انھوں نے کسی آیت سے استشہاد پیش کرتے ہوئے فرمایا انزلت فی کذا کہ فلاں آیت اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے حالانکہ واقعہ کے وقت نزول قرآن کا دور ہی ختم ہو چکا۔

مثلاً حضرت ابنِ عمر کا قول ہے " والذین یکنزون الذهب والفضة " والی آیت زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے ، اور اس کے نزول سے یہ آیت حکماً منسوخ ہو گئی اور زکوٰۃ مال کی مزکی ہے حالانکہ یہ آیت سورۃ انفال میں ہے اور جس پر اتفاق ہے کہ نازل ہونے والی آخری سورت ہے ۹ھ میں نازل ہوئی اور زکوٰۃ کا حکم اس سے پہلے نازل ہو چکا تھا۔

سوال ، حذف ، ابدال ، وغیرہ کی تعریف کریں ، اور مثالیں دیں۔

جواب ، تفہیم قرآن میں دوسرا مشکل مسئلہ عربی گرامر پر عبور ضروری ہے ، قرآن مجید اہلِ مکہ کے عقائد و نظریات کی تصریح و توضیح کے لیے انہیں کے قواعد و ضوابط کے مطابق نازل ہوا۔ چونکہ اس زمانہ میں کوئی شعری ادب میں شہرت کا حامل تھا تو کوئی فن خطابت میں۔ ان کی زبان میں استعارات اور حذف وغیرہ کا استعمال کثرت سے ہوتا تھا اس لیے قرآن مجید میں بھی اسی اسلوب کو مدِ نظر رکھا گیا۔ کسی جگہ کوئی لفظ حذف کیا گیا اور کسی جگہ ایک لفظ کے بدلے کوئی دوسرا لفظ لایا گیا، تو ایسی صورت میں یہ مسئلہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔

(۱) حذف ، حذف کا معنی کسی لفظ کا عبارت سے حذف کر دینا ، اس کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) مضاف، موصوف، فاعل، مفعول اور متعلق وغیرہ کا حذف کرنا ہے۔ مثلاً
اٰتینا ثمود الناقۃ مبصرۃً (ی) اٰیۃً مبصرۃً (اٰیۃ) موصوف حذف ہے۔
اُشربوا فی قلوبھم العجل (ی) حب العجل (حب) مضاف حذف ہے۔
اقتلت نفساً زکیۃً بغیر نفس (ی) بغیر قتل نفس قتل نفس مضاف حذف وغیرہ

ابدال: کسی لفظ کا لفظ سے بدل دینا ابدال کہتا ہے اس کی مثالیں بھی قرآن مجید میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ مثلاً
اھذا الذی یذکر اٰلھتکم ای یسبُّ اٰلھتکم اس میں یسب کی جگہ یذکر ذکر کیا گیا ہے
منّا ولا یصحبون ای لا ینصرون، اس میں ینصرون کی جگہ یصحبون ذکر کیا گیا۔
کبھی پورا جملہ بدل دیا جاتا ہے۔ فان طبن لکم عن شیئٍ منہ نفساً، ای عفون لکم عن شیئٍ عن طیبۃٍ من نفوسھن
وان تخالطوھم فاخوانکم ای، وان تخالطوھم لا باس بذالک لانھم اخوانکم

سوال، محکم اور متشابہ کی وضاحت کریں۔
جواب، قرآن مجید کی کچھ آیات ایسی ہیں جن کا حکم اٹل ہے اس میں رد و بدل کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے منہ اٰیاتٌ محکماتٌ ھنّ اُمّ الکتاب
اس میں کچھ محکم آیتیں ہیں جن کو ام الکتاب ہیں۔ ان کے معانی بھی ظاہر ہوتے ہیں اہل زبان اس کے معنیٰ اور کوئی نہ سمجھے، اور اس سمجھنے میں بھی اعتبار پہلے عربوں کا ہے نہ کہ اب اس زمانہ کے لوگوں کا کہ جن کی موشگافیاں محکم کو متشابہ اور مفعول کو مجہول بنا دیتی ہیں۔
متشابہ، متشابہ وہ کلام ہے جس میں دو معنیٰ کا احتمال ہو، یا اس کی ضمیر کے مرجع کا دو بن سکتے ہوں، جیسے کوئی کہے، اما ان الامیر ھدانی ان العن فلاناً لعنۃ اللہ اس میں ہ ضمیر کا مرجع امیر بھی ہو سکتا ہے اور فلاناً بھی، کہ امیر پر لعنت کرے یا اس فلاں شخص پر بعض دفعہ قریب و بعید دونوں کا احتمال ہو۔ مثلاً اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم وامسحوا برؤسکم وارجلکم، اس واو کا عطف رؤسکم پر ہے یا ایدیکم۔ اس سے حکم بدل جائے گا اگر عطف رؤسکم پر شمار کریں تو ارجلکم پڑھیں گیں اور معنیٰ ہوگا کہ پاؤں کا مسح کرو، جو کہ خلاف سنت و اجماع ہے اور عطف ایدیکم پر ہو تو ارجلکم پڑھیں گے اور مطلب ہوگا پاؤں دھوئیں یہ متشابہات میں سے ہیں
بعض دفعہ قرآن مجید میں تمثیلات بیان کی گئی ہیں، جیسے مثلھم کمثل الذی استوقد نارا

فَلَمَّآ اَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوۡرِهِمۡ، اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی حقیقت بیان کرتے ہوئے تعریف کی کہ ایک آدمی آگ روشن کرتا ہے کہ روشنی ہو جائے یہ ایمان کا اظہار اس لیے کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے امن میں رہیں جب امن مکمل ہونے لگتا ہے یک لخت وہ آگ بجھ جاتی ہے۔ اور اچانک جب بجلی بند ہو جائے کچھ سجھائی نہیں دیتا یہی حال منافقین کا ہے کہ وہ پھر کافروں سے جا ملتے ہیں اور ان سے اپنے وعدے سچے کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو بعض دفعہ بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور درمیان میں اٹک جاتے ہیں نہ ادھر کے نہ ادھر کے"

بعض جگہ پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ یا پاؤں یا چہرے کا ذکر ہوا تو لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اعضاء کو اس طرح سمجھا جائے جس طرح وہ اپنے اعضاء سمجھتے اور دیکھتے تھے حالانکہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی ذات میں نہیں یہاں تو سب قدرت مراد ہے اور لوگوں کو سمجھانے کا طریقہ ہے تو اس سے بعض لوگ گمراہ ہونگے۔ اس کی مثالیں قرآن مجید میں بہت زیادہ ہیں۔

سوال ، اعجاز القرآن پر نوٹ لکھیں۔

جواب ، قرآن مجید ایک معجزہ ہے، ہمارے نزدیک اس کی بہت سی مثالیں ہیں اور کئی اعتبار سے یہ معجزہ ہے۔

(۱) اسلوب بدیع، جس دور میں قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ عربوں میں فصاحت و بلاغت اپنے عروج پر تھی، بڑے بڑے خطیب اور شعرا اپنے فن خطابت یا اشعار کے لحاظ سے بلند مقام رکھتے تھے۔ جس کی ایک مثال سبع معلقات ہیں کہ امراء القیس وغیرہ نے اپنے فن کا اظہار کرتے ہوئے اپنے قصائد کو خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکا دیا تھا تاکہ ان کا کوئی مقابلہ کرے ، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس فصاحت و بلاغت کو چیلنج کیا کہ کوئی ہے جو اس کی مثل لے آئے یہ اس کا اعجاز تھا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداء کم : اپنے سارے یار و مددگار بلاؤ اور اس کی ایک سورہ کی مثل ہی لے آؤ تو پھر مان لینگے کہ تم اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ حضور علیہ السلام کسی سے پڑھ کر بنا لاتے ہیں۔

(۲) قرآن مجید کا اسلوب بدیع بھی قدیم عرب ادیبوں کا سا ہے۔ جیسے وہ بعض دفعہ ابتدائے کلام میں کچھ مخفف لفظ استعمال کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات ذکر کیے، یہ ایسے مخفف ہیں کہ آج تک کوئی مفسر ان کی حتمی معانی بیان نہیں کر سکا۔ آخر میں لکھا واللہ اعلم بالصواب ،

(۳) کسی جگہ استعارات اور وقت کے تقاضے کے مطابق کہیں قسمیں کھا کر بات کو پختہ اور

یقینی بنایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں سابق انبیاء اور دیگر قوموں کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ تفصیل سابق کتب اور صحیفوں میں بھی موجود نہیں، بغیر کسی حوالہ اور سابق دور کے آدمیوں سے ملاقات کے واقعات کا صحیح طریقہ سے بیان کرنا معجزہ نہیں اور کیا ہے۔

(۴) پیشین گوئیاں، اعجاز قرآن میں یہ بات واضح ہے کہ پیشین گوئیاں اس قدر صادق آتی ہیں اور آنے کی گویا یہ بات ماضی کی تاریخ ہے۔

(۵) اسلوب بلاغت میں دور اول بڑے بڑے شعراء کو ردیف و کافیہ پر جس قدر عبور حاصل تھا اس کی مثال اس موجودہ دور میں بہت کم ہے قرآن مجید میں اس سادگی سے ان باتوں کو موجود پایا گیا ہے کہ بڑے بڑے شعراء بھی اس سے دنگ رہ گئے، اگر قافیہ ملانے والے آتے ہیں تو اس کی مثالیں قرآن مجید میں بے شمار ہیں مثلاً،

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ہ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ہ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا یہ پوری سورت پڑھتے جائیے اور اس کی بے شمار مثالیں ہیں بعض دفعہ کلام میں لطف پیدا کرنے کے لیے ایک مصرعہ یا شعر کو بار بار پڑھنے کا رواج تھا جیسا کہ آج بھی ہے قرآن مجید سورہ رحمن پڑھ کر دیکھئے۔ فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ، کو بار بار دھرایا گیا اسی طرح سورت دھر پڑھیئے اس میں فَھَل مِن مُدَّکِر کو بار بار دھرایا گیا ہے، یہ سب چیزیں اسلوب بیان، پھر ان کا انداز قرآن ہی کا حصہ اور یہ صرف کلام اللہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

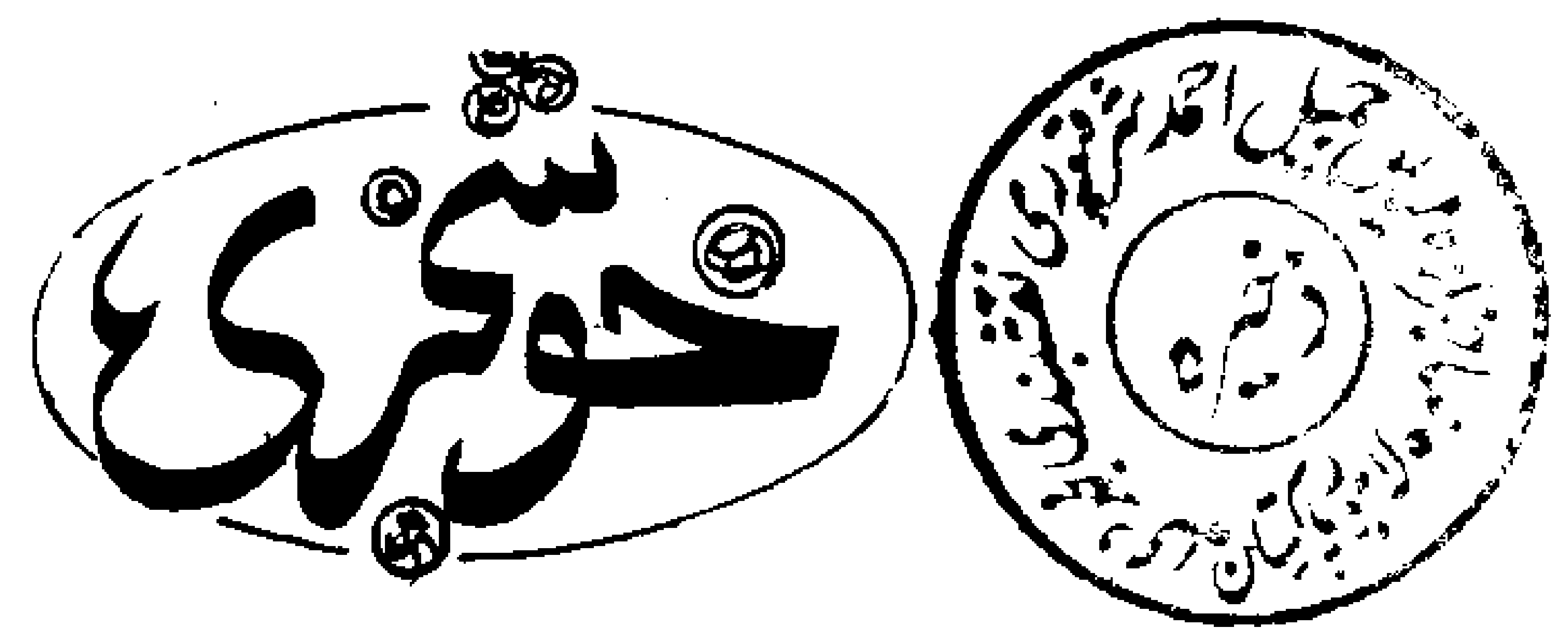
(۶) کوئی کتاب کس قدر پڑھی جا سکتی ہے۔ اس میں کئی لوگ ایک دفعہ بھی مکمل کتاب نہیں پڑھ سکتے یا ایک دفعہ کبھی وقت گزاری کے لیے دوسری دفعہ بھی شروع کر دیتے ہیں لیکن دوسری دفعہ نہ وہ مزہ رہتا ہے اور نہ ہی وہ ذوق۔ بلکہ اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے، لیکن قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ اس کو جس قدر پڑھا جائے ہر دفعہ نئی چاشنی نیا ذوق ہوتا ہے۔

(۷) باقی کتابوں کا حافظ مثلاً کوئی مل جائے لیکن قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ حفاظ کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ اس قدر نہ کوئی کتاب کسی نے یاد کی ہے اور نہ ہو گی،

(۸) اس کتاب کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اور فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ہ اس لیے اس میں کوئی نہ ہوئی اور نہ ہو سکے گی،

پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ قرآن مجید سات لغتوں میں نازل ہوا بعض لغتوں میں بعض الفاظ کا تلفظ کسی طرح ہوتا ہے اور بعض کس طرح۔ مثلاً اکثر ہم مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھتے ہیں

بعض قراتوں میں مَلِكِ یَوْمِ الدِّین ہے۔ تو اس کے لکھنے میں کبھی بھی مالکِ یوم الدین نہیں لکھا جائے گا ان امور سے معلوم ہوتا ہے یہ اس کی کتابت کا انداز بھی منشاء خداوندی کے مطابق ہے اس سے بڑھ کر اور کیا اعجاز ہو سکتا ہے۔



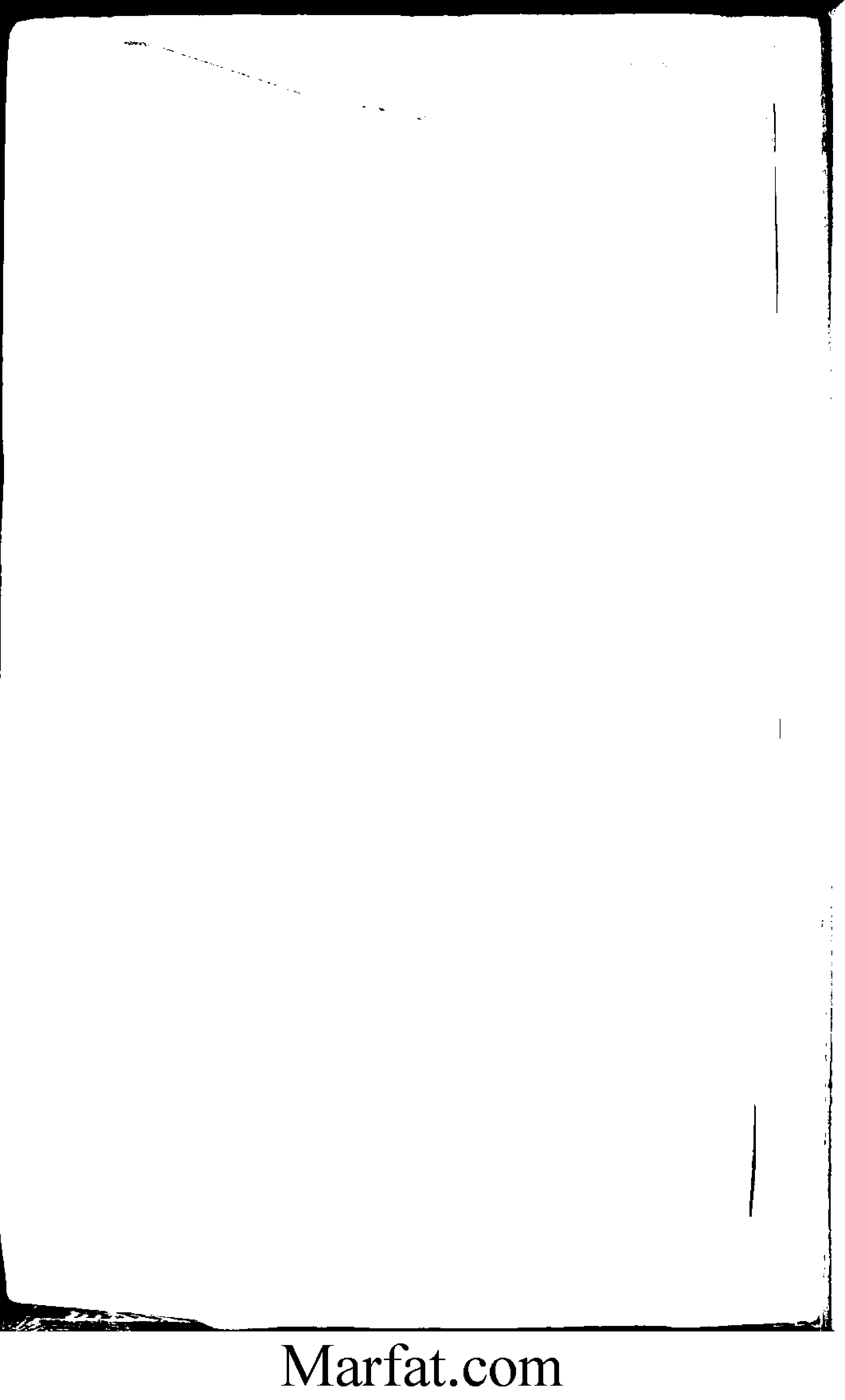
ہماری کتب آپ اپنے شہر سے بھی حاصل کر سکتے ہیں ....

کراچی	ــــــــــــ	قیوم اکیڈمی پیپلز کالونی ناظم آباد
ملتان	ــــــــــــ	مکتبہ قاسمیہ، کچہری روڈ
بہاولپور	ــــــــــــ	بک پیلس، شاہی بازار
ڈیرہ غازی خاں	ــــــــــــ	مکتبہ سبحانیہ، بانو بازار
فیصل آباد	ــــــــــــ	ملک سنز، کارخانہ بازار
گوجرانوالہ	ــــــــــــ	مدینہ کتاب گھر، اردو بازار
"	ــــــــــــ	مکتبہ حنفیہ، اردو بازار
"	ــــــــــــ	برکات بک ہاؤس حافظ آباد روڈ
راولپنڈی	ــــــــــــ	مکتبہ ضیائیہ، بازار تلواڑاں

یا پھر ہمیں خط لکھیں

شیخ محمد بشیر اینڈ سنز

جلال الدین ہسپتال بلڈنگ، اردو بازار، لاہور



فاضل عربی کے لیے ہمارے ادارے کی معہ ترجمہ کتب و خلاصے

دیوان المتنبی ۱۵/۰۰ مترجم مولینا ذوالفقار علی دیوبندیؒ	دیوان حسان رضی اللہ عنہ ۶/۰۰ مترجم محمد بشیر صدیقیؒ
محیط الدائرہ ۲۰/۰۰ مترجم علامہ محمد شفیعؒ	الکامل للمبرد ۱۵/۰۰ مترجم مولینا اخیار اللہ
اسرار البلاغت ۴/۰۰ مترجم قاری محمد امین کھوکھر	العبرات ۳۰/۰۰ مترجم قاری محمد امین کھوکھر
محاضرات ۱۸/۰۰، خلاصہ ۴/۰۰ مترجم قاری محمد امین کھوکھر	مقدمہ ابن خلدون ۹/۰۰ مترجم عبدالصمد صارم و ڈاکٹر غلام جیلانی
موطا امام مالک ۵/۰۰ مترجم قاری محمد امین کھوکھر	جواہر العلوم ۶/۰۰ مترجم قاری محمد امین کھوکھر
تاریخ الحدیث ۵/۰۰ اسرار الرحمن بخاری ایم اے	اصول حدیث ۳/۰۰ مترجم ڈاکٹر حمید اللہ ہاشمی
حجۃ اللہ البالغہ ۱۸/۰۰ مترجم ڈاکٹر غلام جیلانی مخدوم	ہدایہ ۲۴/۰۰ مترجم مولینا محمد طفیل
تاریخ فلاسفۃ الاسلام ۸/۰۰ مترجم حافظ عبدالاعلیٰ رحمانی	قواعد عربی ۲۰/۰۰ مترجم قاری محمد امین کھوکھر
سپر فاضل عربی گائیڈ ۶/۰۰ ماہر اساتذہ کے قلم سے	سابقہ پرچے ۱۲/۰۰ سابقہ دس سال کے

فاضل عربی گیس پیپرز ۶/۰۰ امتحان کی مقررہ تاریخ سے ایک ماہ پہلے

شیخ محمد بشیر اینڈ سنز
جلال الدین ہسپتال
اردو بازار
لاہور

فاضل عربی کے لیے ہمارے ادارے کی معہ ترجمہ کتب و خلاصے

دیوان المتنبی ۱۵/۰۰ مترجم مولینا ذوالفقار علی دیوبندیؒ	دیوان حسان رضی اللہ عنہ ۶/۰۰ مترجم محمد بشیر صدیقیؒ
محیط الدائرہ ۲۰/۰۰ مترجم علامہ محمد شفیعؒ	الکامل للمبرد ۱۵/۰۰ مترجم مولینا اخیار اللہ
اسرار البلاغت ۴/۰۰ مترجم قاری محمد امین کھوکھر	العبرات ۳۰/۰۰ مترجم قاری محمد امین کھوکھر
محاضرات ۱۸/۰۰، خلاصہ ۴/۰۰ مترجم قاری محمد امین کھوکھر	مقدمہ ابن خلدون ۹/۰۰ مترجم عبدالصمد صارم و ڈاکٹر غلام جیلانی
موطا امام مالک ۵/۰ مترجم قاری محمد امین کھوکھر	جواہر العلوم ۶/۰۰ مترجم قاری محمد امین کھوکھر
تاریخ الحدیث ۵/۰ اسرار الرحمن بخاری ایم اے	اصول حدیث ۳/۰۰ مترجم ڈاکٹر حمید اللہ ہاشمی
حجۃ اللہ البالغہ ۱۸/۰۰ مترجم ڈاکٹر غلام جیلانی مخدوم	ہدایہ ۲۴/۰۰ مترجم مولینا محمد طفیل
تاریخ فلاسفۃ الاسلام ۸/۰۰ مترجم حافظ عبدالاعلیٰ رحمانی	قواعد عربی ۲۰/۰۰ مترجم قاری محمد امین کھوکھر
سپر فاضل عربی گائیڈ ۶/۰۰ ماہر اساتذہ کے قلم سے	سابقہ پرچے ۱۲/۰۰ سابقہ دس سال کے

فاضل عربی گیس پیپرز ۶/۰۰ امتحان کی مقررہ تاریخ سے ایک ماہ پہلے

شیخ محمد بشیر اینڈ سنز
جلال الدین ہسپتال اردو بازار لاہور